اسلام

دہشت گردی یا عالمی بھائی چارہ

ڈاکٹر ذاکر نائیک

اسلام

دہشت گردی یا عالمی بھائی چارہ

اسلام

دہشت گردی یا عالمی بھائی چارہ

ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم

سید امتیاز احمد

دار الاحسن

دکان نمبر 3 سلمان شیخ سینٹر
بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی
0333-3738795

دار النوادر
الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

٢٠٠٦ء

کتاب: اسلام دہشت گردی یا عالمی بھائی چارہ

مصنف: ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم: سید امتیاز احمد

اہتمام: دار النوادر، لاہور

مطبع: موٹروے پریس، لاہور

قیمت: ۵۰ روپے

ڈسٹری بیوٹرز

ترتیب

حصہ اوّل

حصہ دوم

سوالات و جوابات

☆......☆......☆

ڈاکٹر ذاکر نائیک

ایک اجمالی تعارف

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے کے جس کام کا آغاز کفارِ مکہ نے کیا تھا، اسے مخالفین و معاندین اسلام نے ہر دور میں جاری رکھا۔ لیکن ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسے علمائے حق بھی پیدا فرمائے جو ہر سطح پر مخالفین کے الزامات کے جوابات بھی دیتے رہے اور دین اسلام کا حقیقی پیغام بھی عالم انسانیت تک پہنچاتے رہے۔

رزم حق و باطل کا یہ سلسلہ دورِ حاضر میں بھی اسی طرح جاری و ساری ہے۔ جو کام ماضی قریب میں گولڈ زائیر، مارگولیتھ، ٹسڈل، ٹوری اور سپرنگر جیسے متعصب جانب دار اور بے انصاف مستشرقین اپنی کتابوں کے ذریعے کر رہے تھے، وہی کام آج کے مغربی ذرائع ابلاغ زیادہ زور وشور، زیادہ مؤثر، زیادہ منظم لیکن غیر محسوس طریقے سے کر رہے ہیں۔ جھوٹ اس کثرت اور اس تواتر کے ساتھ بولا جا رہا ہے کہ غیر تو غیر اپنے بھی اسے سچ ماننے پر تیار نظر آتے ہیں۔

یہ صورتِ حال تقاضا کرتی ہے کہ دورِ حاضر کے مسلمان علما میں سے بھی کچھ لوگ اُٹھیں جو جدید ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے مؤثر عصری اسلوب میں اسلام کا آفاقی پیغام پوری انسانیت اور خصوصاً مغربی دنیا تک پہنچائیں تاکہ ایک طرف تو مغربی میڈیا کے پروپیگنڈا کا توڑ کیا جاسکے اور دوسری طرف نام نہاد دانش وروں اور مستشرقین کی جانب سے اسلام اور پیغمبر اسلام پر لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات کا مدلل اور مسکت جواب بھی دیا جاسکے۔

اس حوالے سے دورِ حاضر میں جن مسلمان علما اور دانشوروں کو اللہ تعالیٰ کی جانب

سے دین حق کی ترجمانی کی توفیق عطا ہوئی، ان میں ایک اہم نام ڈاکٹر ذاکر نائیک کا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کا شمار دورِ حاضر کے معروف ترین علما میں ہوتا ہے۔

ذاکر نائیک، جن کا پورا نام ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک ہے، ۱۸/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کے شہر بمبئی میں پیدا ہوئے۔ آج کل یہ شہر ممبئی کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کا بچپن اور جوانی اسی شہر میں گزرے، جو فلم سازی اور دیگر ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ لیکن اس شہر کی رنگینیاں انہیں اپنے دین سے دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں۔ یہاں کے سینٹ پیٹرز ہائی سکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ذاکر صاحب کشن چند چیلا رام کالج میں داخل ہوئے۔ بعد ازاں ممبئی کے نائر ہسپتال سے وابستہ ٹوپی والا میڈیکل کالج سے انھوں نے طب کی تعلیم حاصل کی اور یوں انھیں یونیورسٹی آف ممبئی کی جانب سے MBBS کی ڈگری ملی۔

ڈاکٹر صاحب کو علم طب کے علاوہ علومِ اسلامی اور مذاہب عالم کے تقابلی مطالعے سے بھی گہری دلچسپی ہے۔ مزید برآں وہ عوامی خدمت کے مختلف شعبوں مثلاً سماجی، اخلاقی، تعلیمی اور معاشی فلاح و بہبود کے متعدد منصوبوں سے بھی وابستہ ہیں۔

لیکن ڈاکٹر ذاکر نائیک کی اصل وجہ شہرت ان کا مخصوص اور غیر معمولی اندازِ خطابت ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسلام کے نقطہ نظر کی وضاحت مؤثر پیرائے میں کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ قرآن و حدیث اور دیگر مذاہب کے متونِ مقدسہ سے مؤثر اور برمحل حوالے پیش کرتے ہیں۔ ان کا حافظہ غیر معمولی ہے اور انھیں علم منطق، علم مناظرہ اور جدید سائنسی حقائق کا علم بھی حاصل ہے۔ وہ مختلف نقطہ ہائے نظر کا تقابل اور تنقیدی تجزیہ کرنے کے بعد اپنے مخصوص انداز کی وجہ سے بھی مقبول ہیں۔

ان کی تقاریر کے بعد بالعموم سوال و جواب کا ایک وقفہ ہوتا ہے جس میں وہ حاضرین کی جانب سے پوچھے جانے والے تند و تیز سوالات کے تشفی بخش جوابات دیتے ہیں۔ وہ اب تک ایک ہزار کے لگ بھگ خطبات پیش کر چکے ہیں۔ اور اس دوران میں

بے شمار مسلمان اور غیر مسلم خواتین و حضرات کے ذہنوں میں اسلام کے حوالے سے موجود شبہات اور تحفظات دُور کرنے کا سبب بنے ہیں۔ وہ نہ صرف خطبات اور تقاریر کی صورت میں بلکہ مباحثوں، مکالموں اور مناظروں کے ذریعے بھی اسلام کا دفاع اور ترجمانی کرتے ہیں۔ متعدد غیر مسلم علما کے ساتھ انھوں نے مناظرے کیے جن میں انھیں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

اس مقصد کے لیے ڈاکٹر ذاکر نے نہ صرف ہندوستان میں تقاریر کیں بلکہ دنیا بھر کا سفر کر کے غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت اپنے دلنشیں پیرائے اور جدید اسلوب میں پہنچانے کی سعادت حاصل کی۔ وہ اب تک ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کینڈا، برطانیہ، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، بحرین، جنوبی افریقہ، ماریشش، آسٹریلیا، ملیشیا، سنگاپور، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، گیانا اور متعدد دیگر ممالک میں عوامی اجتماعات سے خطاب کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک نہ صرف یہ کہ خود اسلام کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے متعدد تربیتی پروگراموں کا بھی اہتمام کیا جن میں مسلمان نوجوانوں کو تربیت اور رہنمائی فراہم کی گئی تاکہ وہ اسلام کا پیغام اور دعوت لوگوں تک مؤثر طریقے سے پہنچانے کے قابل ہو سکیں۔ ان پروگراموں کو غیر معمولی پذیرائی ملی اور بہت سے نوجوان یہاں سے تربیت حاصل کر کے اسلام کے داعی اور مبلغ بنے۔

ذاکر نائیک اس وقت ممبئی میں قائم تین تنظیموں کے سربراہ ہیں:

1- Islamic Research Foundation

2- IRF Educational Trust

3- Islamic Dimensions

ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو دورِ حاضر میں اسلام کا پیغام مغربی دنیا تک انگریزی

اور دیگر مغربی زبانوں میں، جدید اسلوب میں اور انٹرنیٹ، سیٹلائیٹ چینلوں جیسے جدید اور موٴثر ذرائع کے ذریعے پہنچانا عالم اسلام کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اس شعبے میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کی خدمات لائق صد تبریک ہیں۔ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ دیگر علما بھی یہی طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کریں گے۔

دارالنوادر، لاہور نے اب تک ڈاکٹر ذاکر نائیک کی درج ذیل کتب کے معیاری اور مستند تراجم شائع کیے ہیں جن کو عوام الناس میں حد درجہ پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ الحمداللہ

۱۔ مذاہب عالم میں تصورِ خدا اور غیر مسلموں کے اسلام کے بارے میں ۲۰ سوال
۲۔ قرآن اور سائنس
۳۔ اسلام میں خواتین کے حقوق
۴۔ اسلام دہشت گردی یا عالمی بھائی چارہ
۵۔ گوشت خوری۔ جائز یا ناجائز

حصہ اوّل

اسلام اور عالمی بھائی چارہ

اسلام اور عالمی بھائی چارہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ o

(۱۳:۴۹)

آج ہمارا موضوع ہے عالمی بھائی چارہ۔ بھائی چارے کی متعدد اقسام ہیں یعنی کئی طرح کا بھائی چارہ ممکن ہے۔ مثال کے طور پر:

- خاندان اور قرابت داری کی بنیاد پر بھائی چارہ
- علاقے اور وطن کی بنا پر بھائی چارہ
- ذات پات اور قوم یا قبیلے کی بنیاد پر بھائی چارہ
- اور عقاید کی بنیاد پر قایم بھائی چارہ

لیکن بھائی چارے کے متذکرہ بالا تمام تصورات محدود ہیں جب کہ اسلام لامحدود عالمی بھائی چارے کا تصور پیش کرتا ہے۔ میں نے گفتگو کا آغاز جس آیت سے کیا ہے، اس میں اسلام میں بھائی چارے کا تصور بہت واضح طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ

لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

(۱۳:۴۹)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں قرآن بنی نوع انسان سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں جتنے بھی انسان ہیں سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کو قبیلوں اور قوموں میں اس لیے تقسیم کیا گیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یعنی یہ تقسیم محض تعارف کے لیے ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس بنیاد پر ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت اور برتری کا معیار جنس، ذات، رنگ و نسل اور مال و دولت نہیں ہے۔ معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے، پرہیزگاری، نیکوکاری اور حسن عمل ہے۔ جو شخص زیادہ متقی ہے، زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے وہی اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کے بارے میں پورا علم رکھتا ہے۔

قرآنِ مجید میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ (۳۰: ۲۲)

"اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش مند لوگوں کے لیے۔"

یہاں قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ رنگ، نسل اور زبانوں کا اختلاف اللہ ہی کا پیدا کردہ

ہے۔ یہ کالے، گورے، لال، پیلے لوگ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ لہٰذا اس اختلاف کی بنیاد پر نفرت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ روئے زمین پر بولی جانے والی ہر زبان خوبصورت ہے۔ اگر آپ نے کوئی زبان پہلے نہیں سنی ہوئی یا آپ یہ زبان نہیں جانتے تو عین ممکن ہے کہ آپ کو وہ زبان مضحکہ خیز معلوم ہو۔ لیکن جو لوگ اس زبان کو بولنے والے ہیں، ان کے لیے شاید یہ دنیا کی سب سے خوبصورت زبان ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زبان اور رنگ ونسل کے یہ اختلاف محض تعارف اور پہچان کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۠ؒ (۱۷: ۷۰)

''اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

یہاں اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف عربوں کو عزت دی ہے یا صرف امریکیوں کو عزت دی ہے یا کسی خاص قوم کو عزت دی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو عزت دی ہے۔ رنگ، نسل، قوم، عقیدے اور جنس کے امتیاز کے بغیر ہر انسان کو عزت دی ہے۔ بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نسلِ انسانی کا آغاز ایک ہی جوڑے سے ہوا ہے یعنی آدم و حوا علیہما السلام سے۔ لیکن بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کی غلطی اور گناہ کی وجہ سے پوری بنی نوع انسان گناہ گار ہو گئی ہے۔ وہ ہبوطِ آدم علیہ السلام کی ذمہ داری ایک عورت پر، یعنی حوا علیہا السلام پر ڈالتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اس واقعہ کا ذکر موجود ہے لیکن بلا استثنٰی ہر جگہ دونوں کو یکساں ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ آدم اور حوا علیہما السلام میں سے محض کسی ایک کو قصوروار نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ اگر آپ قرآنِ مجید کی سورۂ اعراف کا مطالعہ کریں

تو وہاں ارشاد ہوتا ہے:

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ٥ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ٥ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ٥

(۷:۱۹-۲۴)

''اور اے آدم تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان کو بہکایا تا کہ ان کی شرم گاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں، ان کے سامنے کھول دے۔ اس نے ان سے کہا ''تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہیشگی کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔'' اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اس طرح دھوکا دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انھوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ تب ان کے رب نے انھیں پکارا

''کیا میں نے تمھیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟'' دونوں بول اٹھے: ''اے رب! ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔'' فرمایا: اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لیے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے۔''

مندرجہ بالا آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آدم اور حوا علیہما السلام دونوں سے غلطی ہوئی، دونوں معافی کے خواستگار ہوئے اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا۔ قرآنِ مجید میں کسی جگہ بھی اس غلطی کے لیے اکیلی حوا علیہا السلام کو ذمہ دار قرار نہیں دیا گیا بلکہ ایک آیت تو ایسی ہے جس میں صرف آدم علیہ السلام کا ذکر ہے۔

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ۝ (۲۰:۱۲۱)

''اور آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا۔''

لیکن (جیسا کہ عرض کیا گیا) بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور پوری انسانیت ان کی وجہ سے گنہگار ٹھہری۔ اسلام اس بات سے اتفاق نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عورت سے ناراض ہو کر اس کو اولاد پیدا کرنے کی تکلیف میں مبتلا کیا، اس سے بھی اسلام قطعاً اتفاق نہیں کرتا۔ اس طرح تو ماں بننے کا عمل ایک سزا اور عذاب ٹھہرتا ہے۔

سورۂ نساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۝ (۴:۱)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا

دیے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ وقرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

اسلام کا موقف تو یہ ہے کہ ماں بننے کا عمل عورت کے مقام اور مرتبے میں اضافہ کرنے والا عمل ہے۔

سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ٥ (۳۱: ۱۴)

"اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لیے ہم نے اسے نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔"

اسی طرح سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط (۴۶:۱۵)

"اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔"

حمل، عورت کو مزید محترم اور مکرم کرتا ہے۔ یہ کوئی سزا نہیں۔

اسلام عورت اور مرد کو برابر اور مساوی قرار دیتا ہے۔ صحیح بخاری کتاب الآداب میں ایک حدیث ہے، جس کا مفہوم ہے:

"ایک شخص جناب پیغمبر ﷺ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ یارسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم! مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
''تیری ماں کا۔'' اس شخص نے پوچھا کہ اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
''تیری ماں۔'' اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا:
''تیری ماں۔'' اس شخص نے چوتھی مرتبہ پوچھا کہ اس کے بعد کون؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا باپ۔''

گویا مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولاد پر تین چوتھائی یا پچھتر فی صد حق ماں کا بنتا ہے اور ایک چوتھائی یا پچیس فی صد باپ کا۔ اسے گولڈ میڈل بھی ملتا ہے، سلور میڈل بھی اور برونز میڈل بھی جب کہ باپ کو صرف حوصلہ افزائی کا انعام ملتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات ہیں۔

اسلام مرد اور عورت کو برابر قرار دیتا ہے لیکن برابری کا مطلب یکسانیت نہیں ہے۔ اسلام میں خواتین کے حقوق اور مقام کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ غیر مسلموں اور خود مسلمانوں میں پائی جانے والی یہ تمام غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں اگر اسلام کو قرآن اور صحیح احادیث کی مدد سے سمجھا جائے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا اسلام میں مجموعی طور پر مرد اور عورت برابر ہیں لیکن اس برابری کا مطلب یکسانیت نہیں ہے۔ اس حوالے سے میں ایک مثال پیش کیا کرتا ہوں۔

فرض کیجیے ایک ہی جماعت میں دو طالب علم ہیں ''الف'' اور ''ب''۔ یہ دونوں طالب علم ایک امتحان میں اوّل آئے ہیں کیوں کہ دونوں نے سو میں سے اسّی نمبر حاصل کیے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان کے پرچوں کا تجزیہ کریں تو صورتِ حال یہ ہے کہ پرچے میں دس سوال ہیں اور ہر سوال کے دس نمبر ہیں۔ پہلے سوال میں طالب علم ''الف'' نے دس میں سے نو نمبر لیے ہیں اور طالب علم ''ب'' نے دس میں سے سات نمبر لیے ہیں، لہٰذا پہلے سوال کی حد تک طالب علم ''الف'' کو ایک درجہ برتری حاصل ہے۔ دوسرے میں ''ب'' نے نو اور ''الف'' نے سات نمبر لیے ہیں لہٰذا دوسرے سوال میں برتری طالب علم ''ب'' کو حاصل ہے۔ باقی آٹھ سوالوں میں دونوں طالب علموں نے آٹھ آٹھ نمبر حاصل کیے ہیں۔ مجموعی

طور پر دونوں طالب علموں کے نمبر ۸۰،۸۰ ہیں۔

اس تجزیے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مجموعی طور پر تو دونوں طالب علم برابر ہیں لیکن کسی سوال میں ''الف'' کو برتری حاصل ہے اور کسی میں ''ب'' کو۔ اسی طرح اسلام میں عورت اور مرد کو مجموعی طور پر مساوی درجہ دیا گیا ہے لیکن کسی جگہ عورت کا درجہ زیادہ ہے تو کہیں مرد کو فضیلت حاصل ہے۔ اسلام میں بھائی چارے سے مراد یہ نہیں ہے کہ صرف مرد ہی آپس میں برابر ہیں۔ اس بھائی چارے میں خواتین بھی شامل ہیں۔ عالمی بھائی چارے سے یہی مراد ہے کہ رنگ، نسل، زبان اور عقیدے کے علاوہ جنس کی بنیاد پر بھی انسانوں کے درمیان کوئی فرق روا رکھنا جائز نہیں۔ سب برابر ہیں البتہ جزوی فرق ضرور موجود ہے۔ مثال کے طور پر فرض کیجیے میرے گھر میں ایک ڈاکو آ جاتا ہے۔ اب میں خواتین کے حقوق اور آزادی پر پورا یقین رکھتا ہوں اور دونوں جنسوں کو بالکل برابر سمجھتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں یہ نہیں کہوں گا کہ میری بیوی یا بہن یا ماں جائیں اور ڈاکو کا مقابلہ کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ سورۂ نسا میں فرماتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ط (۴:۳۴)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں۔''

چوں کہ مرد کو جسمانی قوت زیادہ عطا کی گئی ہے لہٰذا اس حوالے سے اسے ایک درجہ برتری حاصل ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ خواتین کی حفاظت کرے۔ گویا قوتِ جسمانی ایک ایسا پہلو ہے جس کے حوالے سے مرد کو برتری حاصل ہے جب کہ اولاد پر حق کے حوالے سے عورت کو برتری حاصل ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ اولاد پر ماں کا حق تین گنا زیادہ ہے۔ اگر آپ اس حوالے سے مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میری کتاب ''اسلام میں خواتین کے حقوق...... جدید یا فرسودہ؟''[1] کا مطالعہ کریں۔

اس کتاب میں، میں نے خواتین کے حقوق کو چھ اقسام یا درجات میں تقسیم کیا ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ میری تقریر پر مشتمل ہے جس میں اسلام میں خواتین کے روحانی حقوق،

---

[1] شائع کردہ، دارالنوادر، الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔

معاشی حقوق، قانونی حقوق، تعلیمی حقوق، سماجی حقوق اور سیاسی حقوق کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ سوال و جواب پر مشتمل ہے، جس میں اسلام میں خواتین کے مقام اور ان کے حقوق کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ کسی خاص قوم یا خاص نسل کا خدا ہے۔

قرآنِ مجید کی پہلی سورۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِo
(۱: ۱۔۳)

”تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔ نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔“

اور آخری سورۃ میں بتایا جاتا ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِo (۱۱۴: ۱)

”کہو میں پناہ مانگتا ہوں (تمام) انسانوں کے رب کی۔“

اسی طرح سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌo (۲: ۱۶۸)

”لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انھیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

اسلام اس دنیا میں حقیقی عالمی بھائی چارہ قائم کرنے کے لیے ایک مکمل نظامِ اخلاقیات بھی دیتا ہے۔ اسلام ایک ایسا اخلاقی قانون فراہم کرتا ہے، جس کی مدد سے پوری دنیا میں بھائی چارے پر مبنی معاشرے کا قیام ممکن ہو جاتا ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَمِيْعًا ط وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط(۵:۳۲)

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔''

یہاں قرآن کہتا ہے کہ اگر کوئی کسی انسان کو قتل کرتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ انسان مسلمان تھا یا غیر مسلم، تو یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے پوری انسانیت کو قتل کرنا۔ یہاں نہ مذہب اور عقیدے کی تخصیص کی گئی ہے نہ رنگ ونسل اور جنس کی۔ کسی بھی بے قصور انسان کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے پوری انسانیت کو قتل کرنا۔ دوسری طرف اگر کوئی کسی انسان کی جان بچاتا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے پوری انسانیت کو بچالیا جائے۔ یہاں بھی کوئی تخصیص نہیں کی گئی کہ بچایا جانے والا انسان کس مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھتا ہو؟

اسلام اس مقصد کے لیے متعدد اخلاقی قوانین وضع کرتا ہے تاکہ عالمی بھائی چارہ دنیا کے ہر حصے میں جاری وساری ہو سکے۔ قرآنِ مجید ہر صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یعنی ہر قمری سال میں ۲ء۵ فی صد کے حساب سے مستحقین میں تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔

آج اگر پوری دنیا میں ہر شخص زکوٰۃ ادا کرنا شروع کر دے تو دنیا سے غربت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو سکتا ہے یہاں تک کہ دنیا میں کوئی شخص بھی بھوک سے نہیں مرے گا۔ قرآن ہمیں اپنے پڑوسیوں کے کام آنے کا بھی حکم دیتا ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَ يْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ٥ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ٥ وَلاَ يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ٥ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ٥ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ٥

(۱۰۷: ۱-۷)

''تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔ پھر تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔''

اسی طرح ایک حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص مسلمان نہیں جس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور وہ خود پیٹ بھر کر سو جائے۔''

ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل نہیں کر رہا۔ قرآن فضول خرچی سے بھی روکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ (۱۷: ۲۶، ۲۷)

''رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔''

اگر آپ اسراف کا مظاہرہ کرتے ہیں تو یقیناً آپ بھائی چارے کی فضا خراب کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔ کیوں کہ جب ایک شخص فضول خرچی اور ریا کاری کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں ناپسندیدگی اور نفرت کے جذبات کو فروغ ملتا ہے اور لوگ ایک دوسرے سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا کسی کو بھی دوسرے کا حق نہیں مارنا چاہیے بلکہ ایک دوسرے کی امداد کرنی چاہیے۔ اپنے پڑوسیوں کے کام آنا چاہیے۔ یہ تمام اخلاقی اصول ہیں جن کا ذکر قرآنِ عظیم میں موجود ہے۔

اسی طرح قرآن رشوت سے بھی سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ بقرہ

میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥ (۲: ۱۸۸)

''اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمھیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔''

گویا اس بات سے منع کیا جارہا ہے کہ رشوت کے ذریعے دوسروں کا مال ہتھیانے کی کوشش کی جائے۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی بھی شخص اپنے بھائی کی جائداد یا مال کو ہتھیانے کی کوشش کرے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ (۵: ۹۰)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔''

اس آیت مبارکہ میں قرآنِ پاک ہمیں تمام نشہ آور اشیا یعنی شراب وغیرہ اور جوئے، قمار بازی سے اور اسی طرح ضعیف الاعتقادی کے مختلف شرکیہ مظاہر سے روک رہا ہے۔ کیوں کہ یہ سب شیطانی افعال ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ معاشرے میں موجود بہت سی برائیوں کا بنیادی سبب منشیات کا استعمال ہے۔ اور نتیجتاً، یہ اُس مثالی بھائی چارے کی فضا کو بھی مکدر کرنے کا سبب بنتا ہے جو ایک حقیقی اسلامی اور فلاحی معاشرے کا مقصود ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ امریکہ میں اوسطاً روزانہ تقریباً ایک ہزار نو سو جنسی زیادتی کے واقعات ہوتے ہیں اور بیش تر صورتوں

میں زیادتی کرنے والے یا زیادتی کا شکار ہونے والے نشے کی حالت میں ہوتے ہیں۔

اسی طرح شماریاتی اعداد و شمار ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں (Incest) کے واقعات کی شرح آٹھ فی صد ہے یعنی ہر بارھواں یا تیرھواں فرد محرمات کے ساتھ زنا میں ملوث ہے۔

اور محرمات کے ساتھ زنا کے تقریباً تمام واقعات نشے کی حالت میں ہی ہوتے ہیں۔

ایڈز جیسی بیماریوں کے دنیا میں اس قدر تیزی سے پھیلنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ منشیات بھی ہیں۔ اسی لیے قرآن جوئے اور منشیات کو شیطانی اعمال قرار دیتا ہے۔ کامیابی اور فوز و فلاح کے حصول کے لیے ان شیطانی افعال سے اجتناب ضروری ہے۔ اگر آپ واقعی ان اعمال سے مجتنب رہتے ہیں تو دنیا بھر میں حقیقی بھائی چارے کا ماحول قایم کرنے میں مدد ملے گی۔

قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِیْلًا۝ (۱۷: ۳۲)

''زنا کے قریب نہ پھٹکو، وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔''

گویا اسلام بدکرداری سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔

سورۂ حجرات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۝ (۴۹: ۱۱-۱۲)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بُری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

اس قرآنی ارشاد کے مطابق کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا یا غیبت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا اور اس کام کی کراہت اس مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔ انسانی گوشت کھانا ہی حرام ہے اور اپنے مردہ بھائی کا گوشت...... گویا حرمت دگنی ہو جاتی ہے۔ آدم خور لوگ جو انسانی گوشت مزے لے لے کر کھاتے ہیں وہ بھی اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اگر آپ کسی کی غیبت کرتے ہیں تو یہ دہرا گناہ ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ تو کیا آپ یہ پسند کریں گے؟ قرآن خود جواب دیتا ہے، کہ نہیں تم یہ پسند نہیں کرو گے۔ کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ (۱۰۴: ۱)

''تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن کرنے اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔''

قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ میں دیے گئے یہ تمام اخلاقی اصول، حقیقی بھائی چارے کو فروغ دینے والے اور مستحکم کرنے والے ہیں۔ اسلام کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ محض بھائی

چارے کا ذکر نہیں کرتا بلکہ بھائی چارے کے عملی مظاہرے کے لیے بھی مطلوبہ اقدامات پر زور دیتا ہے۔

مسلمان اس بھائی چارے کا ایک عملی مظاہرہ دن میں پانچ مرتبہ نماز باجماعت کی ادائیگی کے، دوران کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث کا مفہوم ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب ہم لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔''

سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ کی ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنی صفیں سیدھی کر لیا کرو، کندھے سے کندھا ملا لیا کرو اور شیطان کے لیے خالی جگہ نہ چھوڑا کرو۔''

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے دوران ایک دوسرے کے قریب کھڑے ہوا کرو اور شیطان کے لیے خالی جگہ نہ چھوڑا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اس شیطان کا ذکر نہیں کر رہے جسے آپ لوگ ٹی وی پر دیکھتے ہیں جس کے دو سینگ اور ایک دُم ہوتی ہے۔ یہاں شیطان سے مراد اس قسم کی کوئی مخلوق نہیں ہے بلکہ یہاں مراد نسل پرستی کا شیطان ہے، علاقائی تعصب کا شیطان ہے۔ رنگ و ذات پات اور زبان کے تعصب کا شیطان ہے جسے اپنی صفوں میں جگہ دینے سے یہاں روکا جا رہا ہے۔

بین الاقوامی بھائی چارے کی ایک بڑی مثال ''حج'' ہے۔ دنیا بھر سے تقریباً پچیس لاکھ افراد فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب کے شہر مکہ پہنچتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے کونے کونے سے وہاں آتے ہیں، امریکہ سے، کینیڈا سے، برطانیہ سے، سنگاپور، ملیشیا، ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا غرض کہ دنیا بھر سے مسلمان حج کے لیے مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں۔
اس موقع پر تمام مرد دو ایک جیسی اَن سلی سفید چادروں میں ملبوس ہوتے ہیں۔ اس

موقع پر آپ اپنے ارد گرد کھڑے لوگوں کے بارے میں یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی کیا حیثیت ہے۔ وہ بادشاہ ہوں یا فقیر ان کا حلیہ ایک سا ہوگا۔ بین الاقوامی بھائی چارے کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟ حج دنیا کا سب سے بڑا سالانہ اجتماع ہے۔ کم از کم پچیس لاکھ افراد وہاں جمع ہوتے ہیں۔ آپ بادشاہ ہوں یا فقیر، غریب ہوں یا امیر، گورے ہوں یا کالے، شرقی ہوں یا غربی، آپ ایک ہی لباس میں ملبوس ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں اعلان فرمادیا کہ تمام انسان ایک ہی رب کی مخلوق ہیں لہٰذا:

> ''کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ کوئی گورا کالے سے یا کالا گورے سے افضل نہیں ہے برتری کی بنیاد صرف اور صرف تقویٰ ہے۔''

صرف تقویٰ، پرہیز گاری، نیکی اور خوفِ خدا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کا معیار ہیں۔ آپ کی قوم، آپ کا رنگ آپ کو کوئی برتری نہیں دلاتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب انسان برابر ہیں۔

ہاں اگر آپ اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ہیں، زیادہ پرہیز گار ہیں، زیادہ متقی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ کے افضل ہونے کا امکان ہے۔

حج کے موقع پر تمام حاجی مسلسل یہی الفاظ دہراتے ہیں:

((لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ. ....))

''ترجمہ: حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ نہیں کوئی معبود۔............''

پورے حج کے دوران وہ مسلسل یہ الفاظ دہراتے رہتے ہیں تاکہ یہ ان کے ذہن میں راسخ ہو جائیں یہاں تک کہ جب وہ واپس آتے ہیں تو پھر بھی یہ الفاظ ان کے ذہن میں رہتے ہیں۔

اسلامی عقیدے کا بنیادی ستون یہی ہے کہ اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ

ہی اس کائنات کا واحد بلاشرکت غیرے خالق اور مالک ہے۔ صرف وہی ہے جس کی عبادت کی جانی چاہیے۔ اگر آپ غور کریں تو ایک اور صرف ایک خدا پر ایمان کی صورت میں ہی عالمی بھائی چارے کا قیام ممکن ہے۔

ایک ہی خدا پوری انسانیت کا خالق ہے۔ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ آپ امیر ہوں یا غریب، کالے ہوں یا گورے، مرد ہوں یا عورت، آپ کا تعلق کسی عقیدے سے ہو، کسی ذات سے ہو، کسی ملک یا علاقے سے ہو، آپ سب برابر ہیں کیوں کہ آپ سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ آپ سب کو خدائے واحد ہی نے پیدا کیا ہے۔ اگر آپ ایک رب پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کے درمیان حقیقی بھائی چارہ قایم ہونا ممکن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیش تر بڑے مذاہب میں ایک اعلیٰ سطح پر خدائے واحد کا تصور پایا جاتا ہے۔

آکسفرڈ انگریزی ڈکشنری میں مذہب کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

" Belief in a super human controlling power, a God or gods that deserve worship & obedience."

اس تعریف کی روشنی میں اگر آپ کسی مذہب کو سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس مذہب میں خدا کے تصور کو سمجھا جائے۔ اور کسی مذہب کے تصور خدا کو، اس مذہب کے ماننے والوں کے اعمال و افعال کو سامنے رکھ کر نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیوں کہ ضروری نہیں کہ کسی مذہب کے پیروکار اپنے مذہب کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ ہوں اور ان پر عمل بھی کر رہے ہوں۔ لہٰذا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس مذہب کے متونِ مقدسہ کا جائزہ لے کر دیکھا جائے کہ ان میں خدا کا کیا تصور پیش کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید سورۂ آلِ عمران میں ہمیں بتاتا ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ

اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۳: ۶۴)

''اے نبی ﷺ، کہو! اے اہل کتاب آ ؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم (خدا کی اطاعت و بندگی کرنے والے) ہیں۔''

جیسا کہ عرض کیا گیا کسی مذہب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس مذہب میں خدا کے تصور کو سمجھ لیا جائے۔ اگر کسی مذہب کا تصورِ خدا آپ کی سمجھ میں آ گیا تو گویا آپ نے اس مذہب کو سمجھ لیا۔

آیئے سب سے پہلے ہندومت کے تصور خدا کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر آپ ایک عام ہندو سے، جو عالم نہیں ہے، یہ پوچھیں گے کہ وہ کتنے خداؤں کی عبادت کرتا ہے تو اس کا جواب مختلف ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ کہے ''تین'' یا کہے کہ ''ایک سو'' یا ''ایک ہزار''۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا جواب ہو ۳۳ کروڑ۔ لیکن اگر آپ ایک پڑھے لکھے عالم ہندو سے یہی سوال پوچھیں تو اس کا جواب ہوگا، حقیقتاً ہندوؤں کو ایک اور صرف ایک خدا ہی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی پر ایمان رکھنا چاہیے۔ عام ہندو ''حلول'' کے عقیدے پر یقین رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر چیز ہی خدا ہے، درخت خدا ہے، سورج خدا ہے، چاند خدا ہے، بندر خدا ہے، سانپ خدا ہے اور خود انسان بھی خدا ہے۔ ''ہر چیز خدا ہے۔''

جب کہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ''ہر چیز خدا کی ہے۔'' یعنی ہم اس جملے میں صرف ایک لفظ ''کی'' کا اضافہ کرتے ہیں۔ ''ہر چیز خدا کی ہے۔'' سارا فرق اسی ایک لفظ ''کی'' کا ہے۔ ہندو کہتا ہے ''ہر چیز خدا ہے۔'' مسلمان کہتا ہے ''ہر چیز خدا کی ہے۔'' اگر اس ایک لفظ کا مسئلہ حل کرلیا جائے تو ہندو اور مسلمان متفق ہوسکتے ہیں۔ ان کے اختلافات کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

یہ کس طرح ہوگا؟ قرآن اس کا طریقہ یہ بتاتا ہے کہ جو امور ہمارے درمیان مشترک

ہیں ان پر اتفاقِ رائے کر لیا جائے۔ اور ان میں سے پہلا امر کیا ہے؟ یہ کہ ہم خدائے واحد کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہندوؤں کے متون مقدسہ میں سے سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اور سب سے مقبولِ عام ''بھگود گیتا'' ہے۔ اگر آپ بھگود گیتا کا مطالعہ کریں تو اس میں آپ کو یہ بیان بھی ملے گا:

''اور وہ لوگ جن کی عقل وفہم مادی خواہشات سلب کر چکی ہیں، وہ جھوٹے خداؤں کی عبادت کرتے ہیں۔ ایک حقیقی خدا کے علاوہ۔'' (۷/۱۴)

اسی طرح اگر آپ اپنشد کا مطالعہ کریں تو آپ چندوگیہ اپنشد میں لکھا ہوا پائیں گے کہ:

''خدا ایک ہی ہے، دوسرا کوئی نہیں۔'' (جلد اول، حصہ دوم، باب ٦)

''اس ایک کے علاوہ کوئی خدا نہیں اور وہ کسی سے پیدا بھی نہیں ہوا۔''

(سویتا سوترا اپنشد)

''اس جیسا کوئی بھی نہیں۔'' (سویتا سوترا اپنشد)

''اس کی کوئی صورت نہیں ہے، اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔'' (سویتا سوترا اپنشد)

اسی طرح ہندومت کے متونِ مقدسہ میں سے مقدس ترین ویدوں کو تصور کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر چار وید ہیں:

۱۔ رگ وید ۲۔ یجر وید

۳۔ سام وید ۴۔ اتھر وید

اگر آپ ان ویدوں کا مطالعہ کریں تو ان میں آپ کو اس قسم کے بیانات ملیں گے:

''اس کا کوئی عکس نہیں ہے۔'' (یجر وید)

''وہ جسمانیت سے پاک اور خالص ہے۔'' (یجر وید)

اور یجر وید کی اگلی ہی سطر میں یہ بیان بھی موجود ہے:

''جو لوگ اسمبھوتی کی پوجا کرتے ہیں وہ اندھیرے میں داخل ہو رہے ہیں۔''

(یجروید)

''اسمبھوتی'' سے مراد قدرتی مظاہر مثلاً آگ، پانی اور ہوا وغیرہ ہیں۔ آگے مزید یہ کہا جاتا ہے:

''اور جو لوگ اسمبھوتی کی پوجا کرتے ہیں وہ اس سے زیادہ اندھیرے میں داخل ہو رہے ہیں۔'' (یجروید)

اسمبھوتی سے مراد ہے انسان کی بنائی ہوئی چیزیں مثلاً میز، کرسیاں وغیرہ۔ انسان کے بنائے ہوئے بت بھی اس میں شامل ہیں۔ اسی طرح اگر آپ اتھروید کا مطالعہ کریں تو اس میں بھی آپ کو اس قسم کے بیانات ملیں گے:

''اور بلاشبہ عظمت خدائے عظیم ہی کے لیے ہے۔'' (اتھروید)

ویدوں میں سے مقدس ترین ''رگ وید'' کو سمجھا جاتا ہے۔

''سادھو اور نیک لوگ خدائے عظیم کو کئی ناموں سے پکارتے ہیں۔''

(رگِ وید)

رگ وید میں خدائے عظیم کی کئی صفات بیان کی گئی ہیں اور اس کے لیے کئی نام استعمال کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک ''برھما'' ہے۔

اگر آپ برھما کا انگریزی ترجمہ کریں تو وہ ہوگا؛ ...... Creator

اور اگر آپ برھما کا عربی ترجمہ کریں تو وہ ہوگا؛ ...... خالق

ہم مسلمانوں کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ کوئی خدائے عظیم کو خالق کہہ کر پکارتا ہے یا Creator کہہ کر یا برھما کہہ کر۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ برھما وہ خدا ہے جس کے چار سر ہیں اور ہر سر پر ایک تاج ہے، تو ہم مسلمان اس بات پر شدید اعتراض کریں گے۔ مزید برآں یہ بات سویتا سوترا اپنشد کے بھی خلاف جائے گی جس میں کہا گیا ہے:

''کوئی اس سے مشابہ نہیں ہے۔''

لیکن آپ برھما کو ایک معین شبیہ دے رہے ہیں۔

اسی طرح رگ وید میں خدا کو وشنو کہہ کر بھی پکارا گیا ہے۔ یہ بھی ایک خوبصورت نام ہے جس کا انگریزی ترجمہ The Sustainer ہوگا۔ عربی میں اس لفظ کا ترجمہ ہوگا ''ربّ''۔

ہم مسلمانوں کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ خدائے واحد کو رب یا Sustainer یا وشنو کہہ کر پکارا جائے۔ لیکن اس وقت یقیناً ہمیں شدید اعتراض ہوگا جب کہا جائے کہ وشنو وہ خدا ہے جس کے چار ہاتھ ہیں۔ اس کے ایک ہاتھ میں ''چکر'' ہے، ایک ہاتھ میں کنول کا پھول ہے۔ اس قسم کے بیانات سے ہم قطعاً اتفاق نہیں کریں گے۔

مزید برآں یہ بات کرنے والے ویدوں کے اس ارشاد کی بھی مخالفت کریں گے کہ ''اس کا کوئی عکس نہیں ہے۔'' کیوں کہ اس طرح وہ خدا کا عکس ایک معین شبیہ کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ رگ وید میں یہ بھی کہا گیا ہے:

''جملہ تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہی پوجا کے لائق ہے۔'' (رگ وید)

''بھگوان ایک ہی ہے، دوسرا نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے، ذرا بھی نہیں ہے۔'' (رگ وید)

گویا خود ہندومت کے متونِ مقدسہ پڑھ کر ہی ہندو مذہب کے حقیقی عقاید کو سمجھا جا سکتا ہے اور یوں ہندومت کے تصورِ خدا کی تفہیم ممکن ہے۔

اب ہم آتے ہیں یہودیت کے تصورِ خدا کی جانب۔ اگر آپ عہد نامۂ عتیق کا مطالعہ کریں تو اس میں آپ کو مندرجہ ذیل آیات ملیں گی۔

''قدوس، قدوس، قدوس رب الافواج ہے۔ ساری زمین اس کے جلال سے معمور ہے۔'' (یسعیاہ: ۶/۴)

''میں ہی یہوواہ ہوں اور میرے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔'' (یسعیاہ: ۱۱/۴۳)

''میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں۔'' (یسعیاہ: ۵/۴۵)

''یاد کرو کہ میں خدا ہوں اور کوئی دوسرا نہیں، میں خدا ہوں اور مجھ سا کوئی

نہیں۔'' (یسعیاہ: ۹/۴۶)

میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین میں یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیوں کہ میں خداوند تیرا خدا، غیور خدا ہوں۔ (خروج: ۵۔۲۰/۷)

یوں عہد نامہ قدیم کا مطالعہ کر کے آپ یہودیت میں خدا کا تصور اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

لہٰذا ہم یہ دیکھنے میں حق بجانب ہیں کہ یہودیت کے تصور خدا کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے پرانے عہد نامے سے ہی سمجھا جائے۔ مسیحیت کے تصورِ خدا پر بات کرنے سے قبل میں یہ واضح کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ خود عیسائیت کے علاوہ، اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا بنیادی عقاید میں شامل ہے۔ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم نہ کرے۔ ہم انھیں مسیح علیہ السلام سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی پیدائش معجزاتی طور پر ہوئی تھی۔ وہ بغیر کسی باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ حالانکہ آج کل کے بہت سے عیسائی یہ بات تسلیم نہیں کرتے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معجزات عطا فرمائے تھے۔ وہ اللہ کے حکم سے کوڑھیوں کو ٹھیک کر دیتے تھے۔ اندھوں کی بینائی لوٹا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک تو ہم اور عیسائی متفق ہیں لیکن کچھ عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدائی میں شریک ہونے کا یا الوہیت کا دعویٰ کیا تھا۔

حالانکہ اگر آپ انجیل کا مطالعہ کریں تو پوری انجیل میں کہیں بھی آپ کو کوئی ایسا بیان نہیں ملے گا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الوہیت کا دعویٰ کیا ہو یا یہ کہا ہو کہ میری عبادت کرو۔

انجیل میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قسم کے ارشادات ملتے ہیں:

''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے خوش ہوتے کہ میں باپ کے پاس

جاتا ہوں کیوں کہ باپ مجھ سے بڑا ہے۔'' [یوحنا ۱۴:۲۸]

''میرا باپ سب سے بڑا ہے۔'' [یوحنا ۱۰:۲۹]

''میں خدا کی روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں۔'' [متی ۱۲:۲۸]

''میں بدروحوں کو خدا کی قدرت سے نکالتا ہوں۔'' [لوقا ۱۱:۲۰]

''میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا، جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے کیوں کہ میں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی سے چاہتا ہوں۔'' [یوحنا ۵:۳۰]

اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنی مرضی نہیں چاہتا بلکہ خدا کی مرضی چاہتا ہوں تو یہ درحقیقت ''اپنی مرضی کو اللہ کی رضا کے تابع کر دینا ہے۔'' اور اگر اس کا عربی ترجمہ ایک لفظ میں کیا جائے تو وہ لفظ ہوگا ''اسلام''۔ وہ شخص جو اپنی مرضی اور خواہش کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے تابع کر دیتا ہے، مسلمان کہلاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سے پہلے کے انبیائے کرام کی شریعتیں ختم کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ درحقیقت وہ ان کی تصدیق کے لیے آئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں، ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے، پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا، وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ کیوں کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے

زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے۔''

[متی ۲۰،۱۷:۵]

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خود خدا ہیں بلکہ ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ خدا نے انھیں بھیجا ہے۔ یوحنا کی انجیل میں آتا ہے:

''اور جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔''

[یوحنا ۱۴:۲۴]

''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے مانیں۔'' [یوحنا ۱۷:۳]

''اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو۔'' [اعمال ۲:۲۲]

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ پہلا حکم کیا ہے، تو انھوں نے وہی جواب دیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیا تھا:

''اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔'' [مرقس ۱۲:۲۹]

آپ نے دیکھا کہ عیسائیت میں تصورِ خدا کو سمجھنے کے لیے انجیل کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے۔ گویا انجیل کا مطالعہ کیے بغیر عیسائیت کے تصورِ خدا کو سمجھنا ممکن نہیں۔

اب ہم اسلام کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اسلام میں خدا کا تصور کیا ہے؟ اسلام کے تصورِ خدا کے بارے میں کئی سوالات کا بہترین جواب قرآن مجید کی سورۂ اخلاص میں موجود ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

''کہو وہ اللہ ہے، یکتا۔

اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں

نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہم سر نہیں ہے۔"

یہ سورۃ اسلام میں خدا کا تصور، اللہ تعالیٰ کا تصور چار سطروں میں پیش کر دیتی ہے۔

اب جو کوئی بھی خدائی کا دعویٰ کرے اس کو ان چار سطروں میں موجود معیار پر پورا اترنا ہو گا۔ اگر وہ ان شرائط پر پورا اُترتا ہے تو پھر ہم مسلمان اسے خدا تسلیم کر سکتے ہیں۔

پہلی شرط:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ — کہو کہ وہ اللہ ہے، یکتا ہے

دوسری شرط:

اَللّٰهُ الصَّمَدُ — وہ بے نیاز ہے،

تیسری شرط ہے:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ — نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ — کوئی اس جیسا نہیں، اس کا ہم سر نہیں۔

سورۂ اخلاص الٰہیات کی کسوٹی ہے۔ خدا کے بارے میں یا خدا سے متعلق علم کو الٰہیات (Theology) کہتے ہیں اور سورۂ اخلاص قرآن مجید کی ایک سو بارھویں سورۃ درحقیقت الٰہیات کی کسوٹی ہے کیونکہ خدائی کے کسی بھی دعویدار کا دعویٰ اس سورۃ کی روشنی میں پرکھا جا سکتا ہے۔ ایسے کسی بھی دعوے کو اس چار سطری تعریف پر پورا اُترنا ہو گا۔ اگر کوئی اس تعریف پر پورا اُترتا ہے تو ہم اسے خدا تسلیم کر لیں گے۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں، حقیقی عالمی بھائی چارے کے قیام کے لیے لازم ہے کہ سب ایک ہی خدائے واحد پر ایمان رکھیں۔ لہٰذا اگر خدائی کا کوئی اُمیدوار اس چار سطری تعریف پر پورا اُترتا ہے تو ہمیں اس کا دعویٰ تسلیم کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ خدائی کے جھوٹے دعوے کرتے رہے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا ایسے لوگ اس امتحان پر پورے اُتر سکتے ہیں؟

ایسے لوگوں میں سے ایک شخص گرو رجنیش تھا۔ آپ کو علم ہے کہ بعض لوگ رجنیش کو خدا مانتے ہیں۔ میری ایک تقریر کے بعد سوال و جواب کے وقفے کے دوران میں ایک ہندو دوست نے کہا کہ ''ہم بھگوان رجنیش کو خدا نہیں مانتے۔'' میں نے اسے بتایا کہ مجھے بھی اس بات سے اتفاق ہے۔ میں ہندومت کے متون مقدسہ کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ ان میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ بھگوان رجنیش خدا ہے۔ میں نے جو بات کی تھی وہ یہ تھی کہ ''بعض لوگ بھگوان رجنیش کو خدا مانتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمام ہندوؤں کا یہ عقیدہ نہیں۔

بہر حال ہم ان لوگوں کے دعوے کا تجزیہ کرتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ بھگوان رجنیش خدا ہے۔ پہلی شرط، پہلا امتحان جس پر اسے پورا اُترنا ہوگا وہ ہے:

هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ   وہ اللہ ہے، یکتا ہے

کیا بھگوان رجنیش ایک اور یکتا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ اس جیسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خصوصاً ہندوستان میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ سو وہ یکتا کیسے ہوا؟

لیکن اس کے پیروکار اصرار کریں گے کہ وہ ایک ہی تھا لہٰذا ہم اگلی شرط کی طرف بڑھتے ہیں، دوسری شرط ہے:

اَللّٰهُ الصَّمَدُ   وہ بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔

کیا رجنیش بے نیاز تھا؟ کیا وہ کسی کا محتاج نہیں تھا؟ اس کی سوانح پڑھنے والے جانتے ہیں کہ وہ دمے کا مریض تھا۔ شدید کمر درد کا شکار رہتا تھا اور ذیابیطس کا بھی مریض تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جب امریکہ میں اسے گرفتار کیا گیا تھا تو دورانِ گرفتاری اسے زہر بھی دیا گیا۔ ذرا اندازہ لگایئے یہ اچھی بے نیازی ہے کہ خدا کو زہر دیا جا رہا ہے۔

تیسرا امتحان جس پر اسے پورا اُترنا ہوگا، یہ ہے:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ   نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

لیکن رجنیش کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں کہ وہ مدھیہ پردیش میں پیدا ہوا تھا۔ اس

کا باپ بھی تھا۔ اس کی ماں بھی تھی۔ اس کے والدین بعد میں اس کے پیرو کار بن گئے تھے۔
۱۹۸۱ء میں وہ امریکہ گیا اور ہزارہا امریکیوں کو اپنا معتقد کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بالآخر اس نے امریکہ میں اپنا ایک پورا گاؤں بسا لیا جس کا نام رجنیش پورم تھا۔ بعد میں امریکہ کی حکومت نے اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا اور ۱۹۸۵ء میں اسے امریکہ بدر کر دیا گیا۔

۱۹۸۵ء میں وہ ہندوستان واپس پہنچا۔ یہاں اس نے پونا شہر میں اپنا ایک مرکز قایم کر لیا۔ یہ مرکز ''اوشو کمیون'' کہلاتا ہے۔ اگر آپ کو وہاں جانے کا اتفاق ہو تو وہاں لکھا ہوا رجنیش کا کتبہ ضرور پڑھیے۔ ایک پتھر پر یہ عبارت تحریر ہے:

''بھگوان رجنیش

اوشو رجنیش، نہ کبھی پیدا ہوا اور نہ کبھی مرا

البتہ اس نے ۱۱ دسمبر ۱۹۳۱ء سے ۱۹ جنوری ۱۹۹۵ء تک اس زمین کا ایک دورہ کیا۔''

اس تحریر میں وہ یہ بتانا بھول گئے ہیں کہ ۲۱ ممالک نے رجنیش کو ویزا دینے سے انکار کر دیا تھا۔
ذرا اندازہ لگائیے، خود خدا دنیا کا دورہ کر رہا ہے اور اسے پاسپورٹ اور ویزوں کی ضرورت ہے۔

آخری امتحان یہ ہے کہ:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ — اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

یہ شرط بھی ایسی مشکل ہے کہ سوائے خدائے بزرگ و برتر کے کوئی بھی اس پر پورا نہیں اُتر سکتا۔ اگر آپ خدا کا تقابل دنیا کی کسی بھی شے سے کر سکیں تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ خدا نہیں ہے۔

مثال کے طور پر فرض کیجیے کوئی شخص کہتا ہے کہ خدا آرنلڈ شوارزینگر سے ہزار گنا زیادہ طاقت ور ہے۔ آرنلڈ کو تو آپ جانتے ہوں گے جسے دنیا کا سب سے طاقت ور شخص سمجھا جاتا ہے۔ جسے مسٹر یونیورس کا خطاب دیا گیا ہے۔ تو اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ خدا آرنلڈ شوارزینگر سے یا کنگ کانگ سے یا دارا سنگھ سے یا کسی اور سے ایک ہزار گنا طاقت ور ہے یا دس لاکھ گنا طاقت ور ہے، تو وہ خدا کا تقابل مخلوق سے کر رہا ہے اور وہ جس کا تقابل ہو سکے،

خدا نہیں ہوسکتا۔ چاہے لاکھوں گنا کا فرق ہو یا کروڑوں گنا کا، لیکن اگر تقابل ممکن ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ خدا کا ذکر نہیں کر رہے۔۔ خدا کا تقابل اس دنیا کی کسی بھی چیز سے نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید جو میزان الٰہیات ہے اس بارے میں ہمیں بتاتا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

(۱۷: ۱۱۰)

''اے نبیؐ! ان سے کہو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، اس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔''

آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو کسی بھی نام سے پکار سکتے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ یہ نام خوبصورت ہونا چاہیے اور اسے سن کر آپ کے ذہن میں کوئی تصویر نہیں بننی چاہیے۔ یعنی اس نام کے ساتھ کوئی شبیہ وابستہ نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے ۹۹ اسمائے حسنہ استعمال ہوئے ہیں جیسے الرحمان، الرحیم۔

ہم مسلمان خدا کے لیے لفظ ''اللہ'' استعمال کرتے ہیں۔ خدا یا انگریزی کے لفظ God کے بجائے ہم کسی بھی زبان میں عربی کے لفظ ''اللہ'' کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزی لفظ God کے ساتھ بہت سے دیگر الفاظ بھی وابستہ ہیں جن کی وجہ سے اس کے معانی میں بہت سی تبدیلیاں ممکن ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ اس لفظ کے آخر میں حرف ''S'' لگا دیں تو یہ جمع بن جائے گی ''Gods'' لیکن خدا کے لفظ کی جمع ممکن ہی نہیں اور اللہ لفظ کی کوئی جمع ہے بھی نہیں۔

اسی طرح اگر آپ God کے آخر میں ''dess'' لگا دیں تو یہ لفظ مؤنث بن جائے گا یعنی Goddess جس کے معنی ہوں گے مؤنث خدا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنس کا کوئی تصور وابستہ نہیں ہے۔ نہ مذکر اور نہ مؤنث۔ اس لحاظ سے بھی عربی لفظ اللہ بہتر ہے کیونکہ اس لفظ کے ساتھ بھی کوئی تانیث وابستہ نہیں ہے۔ یہ ایک منفرد لفظ ہے۔

اگر آپ لفظ God کے ساتھ Father لگا دیں تو یہ Godfather بن جائے گا۔ آپ کہتے ہیں فلاں جو ہے وہ فلاں کا گاڈ فادر ہے یعنی سرپرست ہے۔ لیکن اللہ کے ساتھ کوئی ایسا لفظ نہیں لگ سکتا۔ Allah-Father یا ''اللہ ابا'' کوئی لفظ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آپ God کے ساتھ Mother لگا دیں تو Godmother بن جائے گا لیکن دوسری طرف Allah-Mother یا ''اللہ امی'' کوئی لفظ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے بھی لفظ ''اللہ'' ایک منفرد لفظ ہے۔

یہی نہیں، اگر آپ لفظ God سے پہلے Tin لگا دیں تو یہ لفظ Tin-God بن جائے گا یعنی جھوٹا یا جعلی خدا۔ لیکن اسلام میں آپ کو اس قسم کا کوئی لفظ نہیں ملے گا۔ اللہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے ساتھ اس قسم کے سابقے اور لاحقے لگ ہی نہیں سکتے۔

مذکورہ اسباب کی بنا پر ہم مسلمان انگریزی لفظ God کے بجائے عربی لفظ اللہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ البتہ اگر کچھ مسلمان اس لیے اللہ کے بجائے God کا لفظ استعمال کرتے ہیں کہ جو غیر مسلم ''اللہ'' کے تصور کو نہیں سمجھتے وہ ان کی بات سمجھ سکیں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن بہر حال اسلام میں ترجیح، بہتر لفظ یعنی اللہ کو ہی حاصل ہے، انگریزی لفظ God کو نہیں۔

اسلام میں حقیقی بھائی چارے کا تصور محض اُفقی نہیں عمودی بھی ہے۔ یعنی اسلام محض اتنا ہی نہیں کرتا کہ تمام علاقوں کے رہنے والے تمام انسانوں کے مابین بھائی چارے کا تصور دے بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے جاتا ہے۔ عمودی تصور سے مراد یہ ہے کہ ہم سے پہلے گزرنے والے لوگ اور بعد میں آنے والے لوگ بھی ہمارے بھائی ہیں۔

ماضی میں اس زمین پر رہنے والے لوگ اور ہم جو آج اس زمین پر زندہ ہیں درحقیقت ایک ہی قوم سے، ایک ہی اُمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایمان کا تعلق ہے۔ یہ وہ بھائی چارہ ہے جو ایمان باللہ کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح بھائی چارے کا ایک عمودی تصور ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ ایمانی بھائی چارہ ہے جو زمانی بھی ہے اور مکانی بھی۔

دنیا کے تمام مذاہب میں کسی ایک خالق پر ایمان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اگر آپ غور کریں تو حقیقی بھائی چارہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے اور دنیا بھر میں قایم رہ سکتا ہے جب تمام لوگ ایک ہی خدا پر ایمان رکھیں، ایک خالق اور ایک مالک پر ایمان رکھیں۔ اس طرح بھائی چارے کا جو رشتہ وجود میں آئے گا وہ خون کے رشتے سے بھی زیادہ مضبوط اور زیادہ اہم ہوگا۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ اسلام ہمیں والدین کی فرماں برداری کا حکم دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا○ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا○ (۱۷: ۲۴،۲۳)

”تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو۔ نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان کے ساتھ احترام سے بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ ”پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔“

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں والدین کو عزت، احترام اور محبت دینا ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن اس کے باوجود ایک چیز ایسی ہے جس میں والدین کا حکم بھی نہیں مانا جا سکتا۔

سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ

ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ (۳۱: ۱۵)

''لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے، اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔''

گویا والدین کی اطاعت جو کہ ایک لازمی امر ہے، ان کی اجازت بھی وہیں تک ہے جہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہی برتر ہیں اور جہاں دونوں احکام میں ٹکراؤ ہو وہاں آپ اللہ کا حکم ہی مانیں گے۔ اسی طرح ایمان اور عقیدے کی بنیاد پر بننے والا بھائی چارہ ہی حقیقی بھائی چارہ ہے۔ ایمان کا رشتہ خون کے رشتے سے برتر ہے۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝

(۹: ۲۴)

''اے نبیؐ! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ دریافت کر رہا ہے کہ بتاؤ اور سوچو تمہاری ترجیحات کیا ہیں؟ کیا تمہیں اپنے بیٹے عزیز ہیں؟ یا تمہیں اپنے والدین عزیز ہیں؟ یا تمہارے زوج؟ (زوج کا لفظ شوہر کے حق میں بیوی کے لیے اور بیوی کے حق میں شوہر کے لیے استعمال ہوتا ہے، انگریزی لفظ Spouse کے معنوں میں) یا دیگر عزیز و اقارب؟

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تمہاری ترجیح مال و دولت، کاروبار اور جائیداد ہے؟ کیا یہ تمام چیزیں تمہیں زیادہ پسند ہیں، اگر تم ان چیزوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے مقابلے میں زیادہ عزیز جانتے ہو تو پھر اللہ کے فیصلے یعنی اپنی سزا کا انتظار کرو۔

پتہ یہ چلا کہ اگر والدین کسی غلط کام کا حکم دیں جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہو تو اس کام کا کرنا جائز نہیں۔ والدین یا اولاد یا بیوی یا دیگر کسی رشتہ دار کی محبت میں چوری کرنا، بے ایمانی کرنا، رشوت لینا، کسی کے ساتھ زیادتی کرنا، کسی کو قتل کرنا اللہ کے عذاب کا باعث ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح مال و دولت، کاروبار، جائیداد بنانے کی خواہش میں جائز و ناجائز سے لاپرواہ ہو جانا بھی عذاب خداوندی کو دعوت دینے والا کام ہے۔

جہاں بات عقیدے اور ایمان کی آئے گی تو خونی رشتے بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

قرآن مجید میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵:۴﴾

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور اللہ کے واسطے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا

تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب معاملہ عدل و انصاف کا ہو،جس وقت آپ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں تو صرف سچی گواہی دیں خواہ اس میں آپ کا ذاتی نقصان ہو،خواہ آپ کے والدین یا رشتہ داروں کا نقصان ہو،آپ ہر حال میں سچائی پر قایم رہیں۔

اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ صاحب معاملہ غریب ہے یا امیر کیونکہ اللہ کا قانون سب کے لیے یکساں ہے۔

سو جب بات عدل و انصاف کی آئے گی،جب معاملہ حق اور سچائی کا ہوگا تو خون کے تمام رشتے فراموش کر دیے جائیں گے۔کیونکہ یہ عقیدہ کا معاملہ ہے اور عقیدے کا رشتہ تمام رشتوں سے برتر ہے۔

عقیدے کے اس رشتے کی اساس اس یقین پر ہے کہ ایک ہی خدائے بزرگ و برتر اس کائنات کا خالق ہے۔تمام مذاہب فی الاصل اسی عقیدے کی تبلیغ کرتے ہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے آپ کے سامنے قرآن کی آیت پیش کی،اسلام اسی مشترکہ بات کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۳:۶۴)

"اے نبیؐ کہو! اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں،اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب

نہ بنالے۔'' اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم (صرف اللہ کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات پر صرف ایمان رکھنا کافی نہیں بلکہ عبادت بھی صرف خدائے واحد ہی کی ہونی چاہیے۔ حقیقی عالمی بھائی چارے کا قیام صرف اسی صورت ممکن ہے کہ پوری انسانیت ایک ہی خدائے بزرگ و برتر پر ایمان رکھے اور صرف اسی کی عبادت کرے۔

سورۂ انعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط ﴾ (۶:۱۰۸)

''(اور اے مسلمانو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔''

میں اپنی گفتگو کا اختتام قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ پر کرنا چاہوں گا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ٥ (۴:۱)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔''

☆......☆......☆

حصہ دوم

سوالات وجوابات

سوال: آپ نے اپنی گفتگو کے دوران میں بھائی چارے کی مختلف صورتوں کی وضاحت تو کر دی لیکن اسلام میں ''کافر'' کے تصور کی وضاحت نہیں کی جو کہ بھائی چارے کو نقصان پہنچانے والی چیز ہے۔

جواب: بھائی کا سوال یہ ہے کہ میں نے متعدد تصورات کے بارے میں گفتگو کی، حقیقی عالمی بھائی چارے کی وضاحت کی اور ساتھ ہی رشتے، ذات اور عقاید وغیرہ کی بنیاد پر قائم ہونے والے بھائی چارے کی بھی وضاحت کی کہ وہ کس طرح مسائل کا سبب بنتا ہے، لیکن میں نے ''کافر'' کے تصور پر گفتگو نہیں کی۔

میرے بھائی ''کافر'' عربی زبان کا ایک لفظ ہے جو لفظ ''کفر'' سے نکلا ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں چھپانا یا انکار کرنا، رد کرنا۔ اسلامی تناظر میں دیکھا جائے تو اس لفظ کے معانی ہیں ''کوئی ایسا شخص جو اسلامی عقاید کا انکار کرے یا انھیں ردّ کرے۔'' گویا جو شخص اسلام کا انکار کر دے اُسے اسلام میں کافر کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جو شخص اسلام کے تصورِ خدا کا انکار کر دے وہ کافر کہلائے گا۔

جہاں تک بھائی چارے کے دیگر تصورات کی بات ہے تو واقعی کئی طرح کے بھائی چارے موجود ہیں مثلاً علاقے کی اور وطن کی بنیاد پر، ہندوستان میں، پاکستان میں اور امریکہ میں ہر جگہ ایک وطنی بھائی چارہ موجود ہے۔۔ یہ تمام بھائی چارے عقیدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ بعض دیگر تصورات کی بنیاد پر قایم ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقی بھائی چارے کو متاثر کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک کافروں کا بھائی چارہ بھی ہے جو کفر کی بنیاد پر قایم ہوا ہے۔ یہ بھی حقیقی عالمی بھائی چارے کے لیے نقصان دہ ہے۔

کافر کا مطلب ہے اسلام کی حقانیت کا انکار کرنے والا۔ میرے ایک خطاب کے بعد سوالات کے دوران میں ایک صاحب نے کہا کہ مسلمان ہمیں کافر کہہ کر گالی کیوں دیتے ہیں؟ اس طرح ہماری انا کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

میں نے انھیں بھی یہی بتایا تھا کہ جناب کافر عربی کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے اسلام

کی سچائی کا انکار کرنے والا۔ اگر مجھے اس لفظ کا انگریزی ترجمہ کرنا ہوتو میں کہوں گا Non Muslim یعنی جو شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا وہ Non Muslim ہے اور عربی میں کہا جائے گا کہ وہ کافر ہے۔

لہٰذا اگر آپ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ نان مسلم کو کافر نہ کہا جائے تو یہ کس طرح ممکن ہو گا؟ اگر کوئی غیر مسلم یہ مطالبہ کرے کہ مجھے کافر نہ کہا جائے یعنی غیر مسلم نہ کہا جائے تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ جناب! آپ اسلام قبول کرلیں تو میں خود بخود آپ کو غیر مسلم یعنی کافر کہنا چھوڑ دوں گا۔ کیونکہ کافر اور غیر مسلم میں کوئی فرق تو ہے نہیں۔ یہ تو سیدھا سیدھا لفظ Non Muslim کا عربی ترجمہ ہے اور بس۔

اُمید ہے کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

☆......☆......☆

سوال: محترم ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب! آپ فرماتے ہیں کہ خدا حي و قیوم ہے، تجسیم سے پاک ہے اور اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اگر ایسا ہے تو مسلمان حج کیوں کرتے ہیں اور وہ ہندوؤں کی طرح مقاماتِ مقدسہ کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

جواب: میرے بھائی نے ایک بہت اچھا سوال پوچھا ہے کہ اگر اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی تجسیم یا تصور ممکن نہیں اور خدا ان چیزوں سے پاک ہے تو پھر مسلمان دورانِ حج مقاماتِ مقدسہ کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ مقاماتِ مقدسہ سے ان کی مراد کعبہ ہے۔

بھائی! یہ ایک صریح غلط فہمی ہے۔ کوئی بھی مسلمان کعبہ کی عبادت قطعاً نہیں کرتا۔ غیر مسلموں میں بالعموم یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ہم مسلمان کعبہ کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جس کو دیکھنا اس دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ کعبہ ہمارے لیے صرف قبلہ ہے۔ جس کا مطلب ہے سمت (Direction) کعبہ ہمارا قبلہ ہے اور قبلے کے تعین کی ضرورت اس لیے ہے کہ ہم مسلمان اتحاد پر یقین رکھتے ہیں، یگانگت پر یقین رکھتے ہیں۔ اب فرض کیجیے ہم نماز پڑھنے لگے ہیں، ہوسکتا ہے کچھ لوگ کہیں کہ مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہیے، کچھ کہیں کہ نہیں شمال کی طرف منہ ہونا چاہیے، کس طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی؟

لہٰذا چونکہ ہم اتحاد و یگانگت پر یقین رکھتے ہیں، اسی لیے ایک سمت دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے معین کر دی گئی ہے کہ ہمیشہ اسی سمت یعنی قبلے کی سمت رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ قبلہ یا کعبہ محض ایک سمت ہے، ہم اس کی عبادت قطعاً نہیں کرتے۔

دنیا کا نقشہ سب سے پہلے مسلمانوں نے بنایا تھا۔ مسلمانوں کے بنائے ہوئے نقشے میں قطب جنوبی کو اوپر اور قطب شمالی کو نیچے رکھا گیا تھا۔ اس نقشے کی رُو سے کعبہ دنیا کے مرکز میں واقع تھا۔ بعد ازاں جب مغربی سائنس دانوں نے دنیا کا نقشہ تیار کیا تو انھوں نے اس کا رُخ اُلٹ دیا یعنی قطب شمالی کو اوپر کر دیا اور قطب جنوبی کو نیچے لیکن الحمد للہ کعبہ پھر بھی اس نقشے کے مرکز میں ہی رہا۔ مکہ پھر بھی دنیا کا مرکز ہی رہا۔

اب چونکہ مکہ مرکز میں ہے لہٰذا اگر کوئی مسلمان کعبہ کے شمال میں ہے تو اسے جنوب کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنا ہوگی اور اگر وہ کعبہ کے جنوب میں ہے تو شمال کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے گا۔ لیکن پوری دنیا کے مسلمان ایک ہی طرف رُخ کر کے فریضۂ نماز ادا کریں گے۔ یعنی کعبے کی طرف رُخ کر کے۔ کعبہ ہمارا قبلہ ہے، ہمارا سمت نما ہے، ہمارا معبود نہیں ہے۔ کوئی بھی مسلمان کعبے کی عبادت ہرگز نہیں کرتا۔

اسی طرح جب ہم حج کے لیے جاتے ہیں تو کعبے کا طواف کرتے ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ دائرے کا ایک مرکز ہوتا ہے۔ اور اس طرح دائرے میں چکر لگا کر ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ کائنات کا مرکز صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ طواف کا مقصد عبادت ہرگز نہیں ہے۔

صحیح مسلم، کتاب الحج کی ایک حدیث کا مفہوم ہے:

''خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں تجھے بوسہ دے رہا ہوں کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے ورنہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک سیاہ پتھر ہے جو نہ فایدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔''

اسی طرح کعبہ کے معبود نہ ہونے کا ایک اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے۔ یعنی مسلمانوں کو نماز کے لیے بلایا کرتے تھے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ بتائیں کیا کوئی بھی شخص اپنے معبود کے اوپر چڑھنا گوارا کر سکتا ہے؟ کیا آج تک کوئی بت پرست اپنے بُت کے اوپر کھڑا ہونا پسند کرتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ مسلمان کعبے کو اپنا معبود نہیں سمجھتے۔ کعبہ ان کے لیے محض قبلہ یعنی سمت نما ہے اور عبادت وہ صرف ایک ہی خدائے واحد و برتر کی کرتے ہیں۔ جسے دیکھنا اس دنیا میں اور ان آنکھوں سے ممکن ہی نہیں ہے۔

سوال: ہم یہاں کائناتی بھائی چارے کے بارے میں آپ کی گفتگو سننے آئے تھے، صرف مسلمانوں کے بھائی چارے کے بارے میں نہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا کائنات کے دوسرے حصوں میں بھی ہمارے بھائی موجود ہیں؟

جواب: میرے بھائی نے ایک اچھا سوال کیا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ کیا بھائی چارے کا تصور صرف اس زمین تک ہی محدود ہے یا کائنات میں مزید وسعت بھی دی جاسکتی ہے؟ حقیقی کائناتی بھائی چارے کا مطلب کیا ہے؟ میرے بھائی اگر آپ نے میری گفتگو توجہ سے سنی ہے تو اس گفتگو کے دوران میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے، ہم اس خدا پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام عالمین کا یعنی پوری کائنات کا رب ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ۠ (۴۲: ۲۹)

”اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین اور آسمانوں کی پیدائش، اور یہ جان دار مخلوقات جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں وہ جب چاہے انھیں اکٹھا کرسکتا ہے۔“

گویا اس دنیا کے علاوہ بھی جاندار مخلوقات موجود ہیں۔ ابھی علوم انسانی نے اتنی ترقی نہیں کی کہ ان کا وجود ثابت کیا جاسکے لیکن بہر حال سائنس دان مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔ وہ خلائی راکٹ اور مصنوعی سیارے مسلسل خلا میں بھیج رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں لیکن ابھی تک کوئی بات ثابت نہیں ہوئی۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ ہاں اس زمین کے علاوہ بھی جاندار مخلوقات موجود ہیں اور میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں۔ اس یقین کے نتیجے میں کائناتی بھائی چارے کا ایک تصور ہمارے سامنے آتا ہے۔ بھائی چارہ صرف اس زمین تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بھائی چارہ ہر جگہ درکار ہے۔ ہندوستان میں بھی اور ہندوستان سے باہر پوری دنیا میں بھی۔ یہ بھائی

چارہ کس طرح قایم ہوسکتا ہے؟ میں یہاں اپنی پوری گفتگو دہرانا نہیں چاہتا۔ لیکن مختصراً یہ کہ ایک اخلاقی نظام ہونا چاہیے، ایک ہی نظامِ اخلاقیات لاگو ہونا چاہیے۔ کوئی انسان کسی کو قتل نہیں کرے گا، کوئی چوری نہیں کرے گا، غریبوں کے کام آئے گا، پڑوسیوں کی مدد کرے گا، کسی کی غیبت نہیں کرے گا۔ انسان کو یہ خیال رکھنا ہوگا کہ وہ خود تو پیٹ بھر کر سونے لگا ہے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ ہر کوئی شراب سے پرہیز کرے گا کیونکہ نشہ اس دنیا میں بھائی چارے کے قایم ہونے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

مندرجہ بالا تمام اُمور بھائی چارے کو تقویت دینے والے ہیں۔ نہ صرف ہندوستان میں، نہ صرف امریکہ میں، نہ صرف اس دنیا میں بلکہ پوری دنیا میں۔

لیکن یہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے اگر ساری دنیا کے لوگ یہ بات تسلیم کر لیں کہ تمام انسان خواہ وہ بھارت میں ہوں، امریکہ میں ہوں، دنیا کے کسی ملک میں ہوں یا اس زمین سے دور کسی اور سیارے کی مخلوق ہے، ان کا خالق ایک ہی خدائے عظیم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ فی الاصل تمام مذاہب میں ایک برتر اور عظیم خدا کا تصور موجود ہے۔ اس کی تفصیل میری کتاب ''مذاہب عالم میں تصور خدا'' [1] میں موجود ہے۔ اس میں آپ پڑھ سکتے ہیں کہ دنیا کے تمام اہم مذاہب میں خدا کا کیا تصور ہے۔ سکھ مت، پارسی مذہب وغیرہ تمام مذاہب کے تصورِ خدا کے بارے میں اگر آپ تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو یہ کتاب پڑھ لیں۔

[1] شائع کردہ دارالنوادر، الحمد مارکیٹ، اُردو بازار لاہور۔

سوال: میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب محض لفظوں سے کھیل رہے ہیں۔ عالمی بھائی چارہ اسلام کے ذریعے ممکن ہی نہیں ہے۔ اسلام تو دنیا کے لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے یعنی کافر اور مسلمان۔ ظاہر ہے کہ ہم اسلام کی بہت سی باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اسلام صرف تقسیم کو تقویت دیتا ہے۔ ہم شیعہ سنی اور ستر دیگر فرقے بھی دیکھ رہے ہیں۔ عالمی بھائی چارہ صرف ہندو مذہب قایم کر سکتا ہے۔ اسلام تو گائے کو قتل کرنے، کفار کو قتل کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور آپ بھائی چارے کی بات کرتے ہیں؟

جواب: میرے بھائی نے بہت سی باتیں کر دی ہیں۔ لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' بھائی چارے کے برقرار رہنے کے لیے صبر کرنا، بہت ضروری ہے۔ اب اگر میں صبر نہ کروں تو میرے اور بھائی کے درمیان لڑائی ہو جائے گی۔

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ○ (۲:۱۵۳)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

جیسا کہ میں نے کہا، بھائی چارے کے فروغ کے لیے صبر ضروری ہے۔ میں یہاں موجود اپنے بڑے بھائی کا احترام کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ہندو مت کا اچھا مطالعہ کر رکھا ہو لیکن مجھے معذرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں ان کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتا۔ اسلام کے بارے میں ان کا علم ہرگز کافی نہیں ہے۔

البتہ ان کی ایک بات سے مجھے ضرور اتفاق ہے اور وہ یہ کہ اسلام لوگوں کو دو گروہوں میں رکھتا ہے۔ ایک وہ جو ایمان لائے یعنی مومن اور دوسرے وہ جو ایمان نہیں لائے یعنی کافر۔ جیسا کہ بھائی نے خود بھی کہا ''کافر''۔ لیکن یہ تقسیم تو دنیا کے ہر مذہب میں موجود

ہے۔خود ہندومت میں بھی موجود ہے۔یعنی لوگ ہندو ہوتے ہیں یا غیر ہندو۔ اسی طرح عیسائیت کے حوالے سے دیکھا جائے تو کوئی شخص یا تو عیسائی ہوگا یا غیر عیسائی۔ یہودیت کے حوالے سے ایک انسان یا تو یہودی ہوگا یا غیر یہودی۔ بالکل اسی طرح اسلامی تناظر میں دیکھا جائے تو ایک شخص یا تو مسلمان ہوگا یا غیر مسلم۔ میں ہندومت پر تنقید نہیں کرنا چاہتا لیکن چونکہ سوال پوچھنے والے ایک پڑھے لکھے شخص ہیں لہٰذا میں ہندومت کے بارے میں بھی کچھ گفتگو کرنا چاہوں گا۔

میں تقابل ادیان کا طالب علم ہوں۔ میں نے ویدوں کا مطالعہ کر رکھا ہے۔ میں نے اپنشد بھی پڑھ رکھے ہیں۔ سو یہاں میں بس ایک چھوٹی سی بات عرض کرنا چاہوں گا۔ ویدوں کی تحریر کے مطابق انسان خدا کے جسم سے پیدا ہوئے ہیں۔ برہمن سر سے پیدا ہوئے، سینے سے کھتری، رانوں سے ویش اور پیروں سے شودر پیدا کیے گئے۔ اور یوں ذات پات کا نظام وجود میں آتا ہے۔

میرے بھائی میں یہاں یہ باتیں نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنے ہندو بھائیوں کے جذبات کو ٹھیس بھی نہیں پہنچانا چاہتا۔ کیونکہ اسلام ہمیں یہ تعلیم نہیں دیتا۔ میں ان باتوں پر تبصرہ نہیں کرتا کیوں کہ میں کسی مذہب پر تنقید نہیں کرنا چاہتا، میں یہ گفتگو نہیں کرنا چاہتا کہ فلاں مذہب میں کیا برائیاں ہیں۔

لیکن اگر آپ ویدوں کا اچھی طرح مطالعہ کر چکے ہیں تو آپ کو یہاں آخر سامعین کے سامنے یہ گواہی دینی چاہیے کہ کیا ویدوں میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ برہمن خدا کے سر سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں اور کیا ذات پات کا ایک طبقاتی نظام ویدوں میں نہیں بنا دیا گیا جس میں ایک مذہبی علما کا طبقہ ہے، ایک جنگجوؤں کا اور حکمرانوں کا طبقہ ہے۔ ایک کاروباری طبقہ ہے اور ایک شودروں کا مظلوم، استحصال زدہ طبقہ ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر امبید کر جیسے لوگوں نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کی تفصیل میں، میں نہیں جانا چاہتا۔ لیکن میرے بھائی، ہندومت کے بارے میں، میں بہت کچھ پڑھ چکا ہوں۔ اور میں ہندو مذہب

کے بعض پہلوؤں کی قدر بھی کرتا ہوں۔ ہندومت کی بعض باتوں سے مجھے اتفاق ہے۔ میں اس موضوع پر بولنا نہیں چاہتا تھا لیکن مجھے مجبور کر دیا گیا لہٰذا مجھے بولنا پڑا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (٦: ١٠٨)

''(اور اے مسلمانو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔''

میں نے اپنی گفتگو کے دوران میں ہندومت کا مثبت پہلو دکھانے کی کوشش کی اور یہ دکھایا کہ ہندو مذہب میں بھی خدائے واحد کا تصور موجود ہے۔ آپ نے اپنے سوال میں کہا کہ مسلمان ''لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور گائے کا قتل کرتے ہیں۔''

دیکھیں بات یہ ہے کہ آپ کے ہر الزام کا جواب دینے کے لیے کافی وقت چاہیے جبکہ ہمارے پاس وقت محدود ہے۔ لہٰذا میں آپ کے چند سوالات کا جواب دیتا ہوں۔ اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو بعد میں دوبارہ پوچھ سکتے ہیں۔ مجھے جواب دے کر اور آپ کی غلط فہمیاں دور کر کے خوشی ہوگی۔ اگر میں یہاں وضاحت کر سکا تو اسی صورت میں اسلام کی درست تفہیم ہوگی۔ اسی لیے ہم اپنی ہر گفتگو کے بعد ایک وقفہ سوالات ضرور رکھتے ہیں اور ہم اس وقفے میں کسی بھی قسم کی تنقید کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر بھی یہ پسند ہے کیوں کہ جس قدر کوئی شخص تنقید کرے گا اور منطقی طور پر قائل ہوگا، اسی قدر وہ اسلام کی درست تفہیم کر سکے گا اور یہی میں کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اسلام حکم دیتا ہے کہ پیغام خداوندی کو حکمت کے ساتھ پھیلایا جائے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ٥ (۱۲۵:۱۶)

"اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو، ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو، تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔"

سب سے پہلے ہم گوشت خوری کا معاملہ دیکھتے ہیں۔ آپ نے "گائے کو قتل کرنے" کی بات کی۔ بہت سے غیر مسلم یہ کہتے ہیں کہ "تم مسلمان ظالم لوگ ہو کیونکہ تم جانوروں کو قتل کرتے ہو۔" سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ایک شخص گوشت کھائے بغیر بھی بہت اچھا مسلمان ہو سکتا ہے۔ اچھا مسلمان ہونے کے لیے گوشت کھانا فرض نہیں ہے، یعنی اسلام اور گوشت خوری لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ قرآن ہمیں متعدد مقامات پر گوشت خوری کی اجازت دیتا ہے تو ہم گوشت کیوں نہ کھائیں؟

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ٥ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ٥ (۵:۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بندشوں کی پوری پوری پابندی کرو۔ تمہارے لیے مویشی کی قسم کے سب جانور حلال کیے گئے، سوائے ان کے جو آگے چل کر تم کو بتائے جائیں گے لیکن احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لیے حلال نہ کر لو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔"

اسی طرح سورۂ نحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ٥ (۵:۱۶)

''اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی اور طرح طرح کے دوسرے فایدے بھی۔''

سورۂ مومنون میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (۲۳:۲۱)

''اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اسی میں سے ایک چیز (یعنی دودھ) ہم تمہیں پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں بہت سے دوسرے فایدے بھی ہیں۔ تم ان کو کھاتے ہو۔''

یہاں ڈاکٹر حضرات موجود ہیں اور میں خود بھی ایک ڈاکٹر ہوں۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ گوشت ایک ایسی غذا ہے جس میں زیادہ مقدار میں فولاد اور پروٹین موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ نہایت غذائیت بخش ہے۔ پروٹین کی اتنی مقدار آپ کو کسی دوسری غذا یعنی سبزیوں وغیرہ میں نہیں مل سکتی۔

سبزیاتی غذا میں پروٹین کی مقدار کے حوالے سے سویابین کو بہترین خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی گوشت کے قریب نہیں پہنچتی۔ باقی جہاں تک گائے کو قتل کرنے کا تعلق ہے تو میں یہاں کسی پر تنقید نہیں کرنا چاہتا، لیکن چونکہ بھائی نے ایک سوال کیا ہے تو اس کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔ اگر آپ ہندو متونِ مقدسہ کا بغور مطالعہ کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ خود ان میں بھی گوشت خوری کی اجازت موجود ہے۔ قدیم دور کے سادھو اور سنت خود گوشت کھاتے رہے ہیں اور بڑا گوشت کھاتے رہے ہیں، یہ تو بعد میں دیگر مذاہب مثلاً جین مت وغیرہ کے زیرِ اثر ہندوؤں میں 'اہمسا'' یعنی عدم تشدد کے فلسفے کو پذیرائی حاصل ہوئی جس کی رُو سے جانوروں کو مارنا ممنوع قرار پایا اور یہ فلسفہ ہندوؤں کے طرزِ زندگی کا حصہ بن گیا۔

دوسری طرف اسلام جانوروں کے حقوق کا تحفظ کرنے والا مذہب ہے۔ اسلام میں

جانوروں سے متعلق جتنی ہدایات دی گئی ہیں ان کے حوالے سے طویل گفتگو ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر جانوروں پر حد سے زیادہ بوجھ لادنے سے منع کیا گیا ہے۔ اُن کو پوری غذا دینے اوران کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ ہے کہ جب ضرورت ہو تو انھیں غذا کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

جو مذاہب گوشت خوری کے خلاف ہیں اور جانوروں کے گوشت کو بطورِ غذا استعمال کرنے سے روکتے ہیں، اگر آپ ان کے فلسفے کا بغور مطالعہ کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ مذاہب گوشت خوری سے منع اس لیے کرتے ہیں کیوں کہ اس مقصد کے لیے جانداروں کی جان لینی پڑتی ہے اور یہ ایک گناہ ہے۔ مجھے ان کی بات سے اتفاق ہے، اگر کسی جاندار کی جان لیے بغیر زندہ رہنا اس دنیا میں کسی بھی انسان کے لیے ممکن ہو تو یقین کیجیے میں وہ پہلا انسان ہوں گا جو اس طرح رہنے کا فیصلہ کرے گا۔

ہندومت میں بھائی چارے کا مقصد یہ ہے کہ ہر زندہ مخلوق کے ساتھ بھائی چارہ ہونا چاہیے قطع نظر اس کے کہ وہ مخلوق انسان ہے یا جانور، پرندہ ہے یا کیڑا مکوڑا۔ اب میں آپ سے ایک سادہ سا سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا کوئی انسان پانچ منٹ بھی بغیر کسی جاندار کو قتل کیے زندہ رہ سکتا ہے؟ علم طب سے آشنائی رکھنے والے میرے اس سوال کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم سانس لیتے ہیں تو سانس کے ساتھ بے شمار جراثیم بھی جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ گویا ہندومت کی رو سے آپ زندہ رہنے کے لیے خود اپنے بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں۔

اسلام میں حقیقی بھائی چارے کا تصور یہ ہے کہ ہر انسان آپ کا بھائی ہے اور دینی بھائی چارے کے لحاظ سے ہر مسلمان آپ کا بھائی ہے۔ ہر زندہ مخلوق بھائی نہیں ہے۔ ہمیں جانوروں کا تحفظ کرنا ہے، انھیں نقصان نہیں پہنچانا، ان پر غیر ضروری تشدد نہیں کرنا لیکن بہ وقت ضرورت ہم انھیں غذا کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ سبزی خوروں کا کہنا ہے کہ گوشت خوری کے لیے آپ جانداروں کو قتل کرتے ہیں لہٰذا یہ ایک گناہ ہے۔

لیکن جب جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ: ''پودے بھی جاندار مخلوق ہیں'' تو کیا ہوتا ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ سبزی خوروں کی منطق ناکام ہوجاتی ہے۔ اب سبزی خور اپنی منطق تبدیل کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے پودے جاندار ہیں لیکن انھیں تکلیف کا احساس نہیں ہوتا جب کہ جانوروں کو ہوتا ہے۔ لہٰذا پودوں کو قتل کرنا جرم نہیں ہے جب کہ جانوروں کو مارنا بڑا جرم ہے۔

لیکن سائنس بہت ترقی کر چکی ہے اور اب ہمیں بتایا جارہا ہے کہ پودے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ پودے روتے بھی ہیں اور خوش بھی ہوتے ہیں لہٰذا یہ منطق بھی ناکام ہوچکی ہے کہ پودوں کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ حالانکہ پودوں کو بھی تکلیف کا احساس ہوتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ انسانی کان پودوں کی آواز نہیں سن سکتے۔ انسانی کان ایک خاص فریکونسی کی آواز سن سکتے ہیں۔ اس حد سے کم یا زیادہ فریکونسی کی آواز ہمارے کان سننے سے قاصر ہیں۔

مثال کے طور پر ایک چیز ہوتی ہے کتوں کی سیٹی ''Dog Whistle''۔ جب کتے کا مالک یہ سیٹی بجاتا ہے تو انسانوں کو کوئی آواز سنائی نہیں دیتی لیکن کتا یہ آواز سن لیتا ہے۔ کیوں کہ ایک سیٹی کی آواز کی فریکونسی اس حد سے زیادہ ہوتی ہے جس حد تک انسانی کان آواز سن سکتے ہیں۔ چوں کہ کتے کی سننے کی صلاحیت انسان سے زیادہ ہے لہٰذا وہ اس آواز کو سن لیتا ہے۔

اسی طرح پودوں کی آواز بھی انسانی کان نہیں سن سکتے کیوں کہ ان کی فریکونسی مختلف ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پودے تکلیف محسوس نہیں کرتے یا اس کا اظہار نہیں کرتے۔

میرے ایک بھائی نے یہ بات سن کر مجھ سے بحث مباحثہ شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگے کہ ذاکر بھائی، یہ ٹھیک ہے کہ پودے جاندار ہوتے ہیں لیکن جانوروں میں تو پورے پانچ حواس خمسہ ہوتے ہیں جب کہ پودوں میں صرف تین حواس ہوتے ہیں یعنی دو حواس کم ہوتے ہیں۔ لہٰذا جانوروں کو مارنا بڑا جرم ہے جب کہ پودوں کو مارنا چھوٹا جرم ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ اچھا چلو فرض کرو تمہارا ایک چھوٹا بھائی ہے جو پیدائشی گونگا بہرا ہے۔ یعنی اس میں عام انسانوں کے مقابلے میں دو حسیات کم ہیں۔ اب فرض کیجیے کوئی آپ کے بھائی کو مار دیتا ہے۔ کیا اس وقت آپ جج کے سامنے جا کر یہ کہنے کے لیے تیار ہوں گے کہ "مائی لارڈ چوں کہ میرے بھائی میں دو حواس کم تھے، لٰہذا مجرم کو کم سزا دی جائے۔" بتائیے کیا آپ یہ کہنے کے لیے تیار ہوں گے؟ نہیں بلکہ آپ کہیں گے کہ مجرم کو دگنی سزا دی جائے کیوں کہ اس نے ایک معصوم اور مجبور شخص پر ظلم کیا ہے۔ لٰہذا اسلام میں بھی یہ منطق نہیں چلتی۔ حواس دو ہوں یا تین، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (۲: ۱۶۸)

"لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، انھیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

گویا جو بھی چیز اچھی ہے اور حلال ہے، اس کے کھانے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں چوپایوں وغیرہ کی تعداد بہت تیزی سے بڑھتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ انسانوں اور جنگلی جانوروں کے مقابلے میں چوپائے بہت تیزی سے اپنی نسل میں اضافہ کرتے ہیں، اگر آپ کی بات مان لی جائے اور گوشت کھانا چھوڑ دیا جائے تو چوپایوں کی آبادی میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔

جہاں تک گائے کی آبادی میں اضافے کا تعلق ہے اس حوالے سے مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "گئو ہتھیا"۔ یعنی گائے کا قتل۔ اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ کون کون گائے کے قتل کا ذمہ دار ہے۔ اس کتاب میں چمڑے کے کاروبار کا تجزیہ کر کے بتایا گیا ہے کہ اس کاروبار سے کون لوگ وابستہ ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ اس کاروبار سے مسلمان کم اور غیر مسلم زیادہ وابستہ ہیں۔ اس کاروبار میں

بیش تر لوگ ''جین مت'' کے ہیں۔ یعنی گائے سے صرف مسلمان ہی فایدہ نہیں اٹھارہے، غیر مسلموں کو زیادہ فایدہ پہنچ رہا ہے۔

لہٰذا اگر آپ سمجھ دار ہیں تو آپ کو فیصلے تک پہنچنے میں دقت نہیں ہونی چاہیے۔ مزید برآں اگر آپ دیکھیں تو انسان کے دانت ہمہ خوری کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یعنی انسانی جبڑے میں نوکدار دانت بھی ہوتے ہیں ہموار بھی تا کہ یہ گوشت خوری بھی کرسکے اور سبزی خوری بھی جو جانور صرف سبزی خور ہیں ان کے تمام دانت ہموار ہوتے ہیں لہٰذا وہ گوشت کھا ہی نہیں سکتے۔ جب کہ گوشت خور جانوروں کے تمام دانت نوکیلے ہوتے ہیں، یوں وہ تمام سبزی خوری کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا انسانی دانتوں کی ساخت اور بناوٹ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دانت ہر قسم کی خوراک کے لیے بنائے ہیں، اگر ہمارا خالق چاہتا کہ ہم صرف سبزیاں ہی کھائیں تو وہ ہمیں نوکیلے دانت کیوں عطا کرتا؟ یہ دانت کیوں عطا کیے گئے ہیں؟ اس لیے تا کہ ہم گوشت خوری کرسکیں۔ اسی طرح اگر آپ سبزی خور جانوروں مثلاً گائے، بکری بھیڑ وغیرہ کے نظام انہضام کا مطالعہ کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ صرف سبزیاں ہی ہضم کرسکتے ہیں۔ دوسری طرف اگر آپ گوشت خور جانوروں مثلاً شیر، بھیڑیے، چیتے وغیرہ کے نظام ہضم کا جائزہ لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ صرف گوشت ہی ہضم کرسکتے ہیں، لیکن انسان کا نظام ہضم اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی اس طرح ہے کہ ہر طرح کی غذا ہضم کرسکتا ہے۔

یوں سائنسی تجزیے کی روشنی میں بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ انسان ہر طرح کی غذا استعمال کرے۔ نباتاتی بھی اور لحمیاتی بھی۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا کہ ہم صرف سبزیاں کھائیں تو وہ ہمیں گوشت ہضم کرنے کی صلاحیت ہی کیوں دیتا۔

میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

☆......☆......☆

سوال: میں کسی مذہب پر یقین نہیں رکھتا۔ میرا سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق تمام مذاہب اور نسلیں وغیرہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں تو پھر یہ لڑائیاں کیوں ہیں؟ آپ کہتے ہیں کہ ہندومت کا عقیدہ ہے کہ ''ہر شے خدا ہے'' اور اسلام کا عقیدہ ہے کہ ''ہر شے خدا کی ہے'' تو ہندوستان میں اور پوری دنیا میں یہ لڑائیاں کیوں ہیں؟ بلکہ خود مسلمان ممالک میں بھی؟

جواب: میرے بھائی نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے۔ میں نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری انسانیت کو ایک جوڑے یعنی آدم وحوا علیہما السلام سے تخلیق فرمایا۔ بھائی کہتے ہیں کہ میں نے یہ کہا کہ ''تمام مذاہب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔'' میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مختلف مذاہب میں تقسیم کیا ہے۔

میری تقریر ریکارڈ ہو رہی ہے۔ میں نے کسی جگہ یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مذاہب میں تقسیم کیا۔ میں نے یہ کہا تھا کہ انسان کو مختلف قوموں، قبیلوں، نسلوں اور رنگوں میں تقسیم کیا گیا۔

مذہب صرف ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو مذاہب کے لحاظ سے تقسیم نہیں کرتا۔ ہاں، اس نے رنگ ونسل اور قبیلوں کے لحاظ سے ضرور انسان کو بانٹا ہے۔ اسی طرح زبانوں کا اختلاف ہے تاکہ انسانوں کی پہچان ہو سکے۔

اسی طرح جہاں تک ہندومت کا تعلق ہے تو آکسفرڈ ڈکشنری کی تعریف کے مطابق مذہب نام ہی خدا پر ایمان کا ہے۔ ہندومت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہندومت کے تصورِ خدا کو سمجھا جائے۔ یہودیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ یہودیت کے تصورِ خدا کو سمجھا جائے۔ عیسائی مذہب کی تفہیم کے لیے لازم ہے کہ عیسائیت کے تصورِ خدا کی تفہیم ہو۔ اسی طرح اسلام کو درست طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے تصورِ خدا کو درست طور پر سمجھا جائے۔ میں نے اپنی گفتگو کے دوران یہی بات کی تھی۔ جہاں تک اختلافات کا

سوال ہے تو یہ اختلافات کس نے پیدا کیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان اختلافات کی تعلیم نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ تو سورۂ انعام میں صاف فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْہُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُہُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ٥ (۶: ۱۵۹)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہی ان کو بتائے گا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا۔''

مذہب کو تقسیم نہیں کیا جانا چاہیے۔ تفرقہ نہیں ہونا چاہیے۔ جو تفرقے میں پڑتا ہے وہ غلط کرتا ہے۔ آپ نے پوچھا ہے کہ لوگ آپس میں لڑ کیوں رہے ہیں اور ایک دوسرے کو مار کیوں رہے ہیں؟ یہ تو آپ کو ان لوگوں سے پوچھنا چاہیے۔

فرض کیجیے آپ ایک استاد ہیں۔ آپ اپنے شاگرد کو نقل کرنے سے منع کرتے ہیں لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آتا اور نقل کرتا ہے تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ کون قصوروار ہے استاد یا شاگرد؟ ظاہر ہے کہ شاگرد ہی قصوروار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت دے دی ہے، اسے راہِ مستقیم دکھادی ہے۔ انسان کو آخری اور مکمل پیغام ہدایت مل چکا ہے۔ یہ پیغام ہدایت انسان کو قرآنِ مجید کی صورت میں عطا کیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں انسان کے لیے اوامر و نواہی بیان کر دیے گئے ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا، سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَ مَنْ اَحْیَاہَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا وَ لَقَدْ جَآءَتْہُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنْہُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ٥ (۵: ۳۲)

اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ: ''جس نے کسی انسان

کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے علاوہ کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ مگر ان کا حال یہ ہے کہ ہمارے رسول پے درپے ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔''

گویا اللہ تعالیٰ قتل و غارت کو پسند نہیں فرماتا۔ لیکن اگر انسان احکامات الٰہی پر عمل نہ کرے تو قصور کس کا ہے؟ خود انسان کا۔

سورۂ ملک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُo (۶۷:۲)

''(اللہ تعالیٰ) جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے، تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔''

زندگی اور موت دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کے لیے یہ ایک امتحان ہے جس میں کامیابی کا انحصار اس کے اعمال کی نوعیت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اچھے یا برے اعمال پر مجبور نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ چاہے تو یقیناً کرسکتا ہے۔ ایک استاد چاہے تو اپنے تمام طالب علموں کو پاس کرسکتا ہے خواہ وہ کامیابی کی اہلیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ استاد چاہے تو بڑی آسانی سے سب کو کامیاب کرسکتا ہے لیکن ایسا کرنا غلط ہوگا، اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تمام انسان ایمان لے آئیں۔ ہر کوئی ایمان لے آئے لیکن ایسا نہیں ہوگا۔

اگر استاد ایک ایسے طالب علم کو پاس کردے جو نالائق ہے، جس نے امتحان میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا، جس نے درست جوابات نہیں دیے تو محنتی اور قابل طالب علم کہے گا کہ میں نے اتنی محنت کی لیکن دوسرا طالب علم جس نے محنت نہیں کی، جو نقل کرتا رہا،

جس نے جوابات ہی نہیں لکھے وہ بھی کامیاب ہوگیا ہے۔ اگر استاد اسی طرح سب کو کامیاب کر دے تو اگلی دفعہ آنے والے طالب علموں میں سے کوئی ایک بھی محنت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اگر نظام ہی اس طرح کا بن جائے گا تو میڈیکل کالج کا طالب علم ڈاکٹر تو بن جائے گا۔ اس کے پاس ایم بی بی ایس کی ڈگری تو ضرور ہوگی لیکن وہ لوگوں کا علاج نہیں کر سکے گا۔ وہ لوگوں کی جان بچانے کے بجائے لوگوں کی جان لینے کا سبب بنے گا۔

لہٰذا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بنی نوع انسان کو راہِ ہدایت دکھا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ؛

کسی کو قتل نہ کرو............

کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ............

لوگوں کے کام آؤ............

اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو............

اگر لوگ ایسا نہیں کرتے تو جیسا کہ میں نے اپنی گفتگو کے دوران میں عرض کیا، اس کا مطلب ہے کہ لوگ قرآنی احکامات پر عمل نہیں کر رہے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ قرآن کی تعلیمات پر عمل نہیں کر رہا۔ وہ کوئی بھی ہو، کہیں بھی ہو، امریکہ میں ہو یا پاکستان میں یا دنیا کے کسی بھی ملک میں۔ لوگ کچھ بھی کریں، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ محض مسلمانوں والا نام رکھ لینے سے، عبداللہ یا ذاکر یا محمد نام رکھ لینے سے کوئی جنت میں داخلے کا حق دار نہیں ہو جاتا۔ محض یہ کہہ دینے سے کہ میں مسلمان ہوں، کوئی حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں بن جاتا۔ اسلام کوئی لیبل نہیں ہے جسے جو چاہے چسپاں کر لے۔ اگر کوئی شخص اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے تو وہی مسلمان ہے۔ قرآن کے مطابق کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہونے کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں، لہٰذا اگر کچھ لوگ قتل و غارت گری میں ملوث ہیں تو وہ قرآنی احکامات کی پیروی نہیں کر رہے۔ اگر قرآنی ہدایت کی پیروی کی جائے تو پوری دنیا میں امن وسلامتی کا دور دورہ ہو جائے۔

سوال: ذاکر بھائی! کیا اگر ایک ہندو قرآنی تعلیمات پر عمل رکھتا ہے جو کہ ہندومت کی کتب مقدسہ میں بھی موجود ہیں تو کیا وہ مسلمان کہلاسکتا ہے؟ اسی طرح اگر ایک مسلمان ہندو صحائف کی تعلیمات کو درست سمجھتا ہے تو کیا وہ ہندو کہلاسکتا ہے؟ کیوں کہ آپ کی گفتگو کا عنوان ہی ''عالمی بھائی چارہ'' ہے۔

جواب: بھائی نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے۔ یہ سوال بہت اچھا اس لیے ہے کیوں کہ یہ ایک واضح سوال ہے۔ اگر آپ ایک واضح سوال پوچھیں گے تو میں اس کا جواب دے سکوں گا۔ سوال یہ ہے کہ ایک ہندو جو قرآنی تعلیمات اور ہندو مذہب پر بیک وقت عمل کرتا ہے کیا وہ مسلمان کہلاسکتا ہے۔ اور یہ کہ کیا اس قسم کا مسلمان ہندو کہلاسکتا ہے؟

اس سلسلے میں پہلے تو ہمیں یہ پتہ ہونا چاہیے کہ ''ہندو'' اور ''مسلمان'' کی تعریف کیا ہے؟ یعنی ہندو کسے کہتے ہیں اور مسلمان کسے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں ''مسلمان وہ شخص ہے جو اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے۔'' ہندو کی تعریف کیا ہے؟ کیا آپ جانتے ہیں؟

''ہندو'' کی صرف ایک جغرافیائی تعریف ممکن ہے۔ کوئی بھی شخص جو ہندوستان میں رہتا ہے یا ہندوستانی تہذیب سے اِدھر آباد ہے وہ ہندو کہلاسکتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے میں بھی ہندو ہوں۔ یعنی جغرافیائی اعتبار سے آپ مجھے ہندو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ پوچھیں کہ کیا میں ''ویدانتی'' ہوں یعنی کیا میں ویدوں پر ایمان رکھتا ہوں؟ تو میرا جواب ہوگا کہ جہاں تک ویدوں کے اس حصے کا تعلق ہے جو قرآنِ مجید کی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے انھیں تسلیم کرنے پر تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مثال کے طور پر یہ بات کہ ''صرف ایک ہی خدا ہے۔''

لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ خدا نے برہمنوں کو اپنے سر سے اور کھتریوں کو سینے سے پیدا کیا۔ اور یوں برہمن ایک برتر ذات ہے تو میں یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔ یہ بات میں ویدوں ہی سے پیش کر رہا ہوں۔ ویدوں میں ایسا لکھا ہوا ہے اگر آپ

ویدوں کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ لیکن یہ بات ویدوں میں اسی طرح موجود ہے، آپ کسی بھی ویدوں کے عالم سے پوچھ سکتے ہیں۔ وید کے عالم یہاں بھی موجود ہیں۔ آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ رہا وید کہہ رہے ہیں کہ ویشوں کو رانوں سے اور شودروں کو پاؤں سے پیدا کیا گیا۔ میں اس تصور سے قطعاً اتفاق نہیں کرتا اور اگر آپ پوچھیں گے کہ کیا میں ویدوں کے فلسفے پر ایمان رکھتا ہوں تو میرا جواب ہوگا کہ نہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ جو شخص ہندوستان میں رہتا ہے وہ ہندو ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان میں رہنے والا ہر شخص ہندو ہے۔ اسی طرح جیسے امریکہ میں رہنے والا ہر شخص امریکی ہے۔ اور اسے امریکی ہونا بھی چاہیے۔

لہٰذا آپ کے سوال کا جواب یہ بنتا ہے کہ ہاں آپ ایک مسلمان کو ہندو کہہ سکتے ہیں اگر وہ ہندوستان میں رہتا ہے تو۔ لیکن اس بات کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ویدک مذہب کا ماننے والا اگر امریکہ چلا جاتا ہے تو پھر آپ اسے ہندو نہیں کہہ سکتے اب وہ ایک امریکی ہے۔

ہندومت ایک عالمی مذہب نہیں ہے۔ ہندومت صرف ہندوستان میں ہے۔ علما کا کہنا ہے کہ آپ ہندوازم کو مذہب نہیں کہہ سکتے۔ یہ محض ایک جغرافیائی تعریف ہے۔ سوامی ویویک آنند کا شمار عظیم علما میں ہوتا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ لفظ ہندومت ایک غلط نام (Misnoma) ہے۔ اصولاً انھیں ویدانتی کہا جانا چاہیے۔

چنانچہ میں اپنی بات پھر دہراتا ہوں کہ اگر آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ؛

"کیا آپ ایک ہندو ہیں؟"

تو میرا جواب ہوگا:

"اگر ہندو کا مطلب ہندوستان میں رہنے والا ہے تو پھر میں یقیناً ہندو ہوں۔ لیکن اگر ہندو ہونے سے آپ کا مطلب بہت سے خداؤں پر ایمان رکھنا ہے جن کے اتنے سر ہیں اور اتنے ہاتھ ہیں تو پھر میں ہندو نہیں ہوں۔"

اسی طرح جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا کسی ہندو کو مسلمان کہا جا سکتا ہے تو

اس کا جواب ہے کہ ہاں ایک ہندو یعنی ایک ہندوستانی مسلمان بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ ہندو بتوں کی پوجا کرتا ہے تو پھر وہ ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ایک بت پرست کبھی مسلمان نہیں کہلاسکتا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ○ (۴: ۴۸)

''اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔''

اسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر دوبارہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیۡدًا ○ (۴: ۱۱۶)

''اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے، اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہوسکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔''

لٰہذا بات یہ ہوئی کہ ایک ہندوستانی یعنی جغرافیائی ہندو مسلمان ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ ہندو اسلامی احکامات پر عمل پیرا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا تو پھر اسے مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔

☆......☆......☆

سوال: بیش تر مسلمان بنیاد پرست اور دہشت گرد کیوں ہیں؟

جواب: بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ بیش تر مسلمان بنیاد پرست اور دہشت گرد کیوں ہیں۔ مجھ سے ایک سوال پوچھا گیا ہے اور میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔ اگر یہ جواب آپ کے لیے اطمینان بخش ہو تو اسے قبول کرلیں اور اگر غیر تسلی بخش ہو تو رد کر دیں۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO (۲: ۲۵۶)

''دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

میں آپ کے سامنے حقیقت پیش کروں گا لیکن اس حقیقت کو قبول کرنے پر میں آپ کو مجبور نہیں کرسکتا۔ آپ چاہیں تو اس کو قبول کریں چاہیں تو نہ کریں کیوں کہ دین میں یعنی اسلام میں زبردستی تو ہے نہیں۔ آپ پوچھتے ہیں کہ زیادہ تر مسلمان دہشت گرد اور بنیاد پرست کیوں ہیں۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ''بنیاد پرست'' کا مطلب کیا ہے؟

''بنیاد پرست اس شخص کو کہتے ہیں جو (کسی بھی معاملے میں) بنیادی اصولوں پر عمل کرتا ہو۔''

مثال کے طور پر ایک شخص اگر اچھا ریاضی دان بننا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ریاضی کے بنیادی تصورات سے آشنا بھی ہو اور ان پر عمل پیرا بھی ہو۔ گویا اگر کوئی اچھا ریاضی دان بننا چاہتا ہے تو اسے ریاضیات کے شعبے کا بنیاد پرست ہونا چاہیے۔

اسی طرح اگر کوئی اچھا سائنس دان بننا چاہتا ہے تو اسے سائنس کے بنیادی اصول کا علم بھی ہونا چاہیے اور اُسے ان اصولوں پر عمل بھی کرنا چاہیے۔ بہ الفاظِ دیگر اسے سائنس کے شعبے کا بنیاد پرست ہونا چاہیے۔

اگر ایک شخص اچھا ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کو چاہیے کہ وہ علم طب کے بنیادی اصولوں یعنی مبادیات کا علم حاصل کرے اور پھران پر پورا عمل بھی کرے۔ یعنی اچھا ڈاکٹر بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شعبہ طب کا بنیاد پرست بن جائے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام بنیاد پرستوں کو کسی ایک خانے میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمام بنیاد پرست برے ہوتے ہیں یا یہ کہ ''تمام بنیاد پرست اچھے ہوتے ہیں۔''

مثال کے طور پر ایک ڈاکو بھی بنیاد پرست ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ مبادیاتِ ڈاکہ زنی پر پوری طرح عمل کرتا ہو اور کامیابی سے ڈاکے ڈالتا ہو۔ لیکن وہ ایک اچھا آدمی نہیں ہے کیوں کہ وہ لوگوں کو لوٹتا ہے، وہ معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے۔ وہ بھائی چارے کو خراب کرتا ہے۔ وہ ایک اچھا انسان نہیں ہے۔

دوسری طرف ایک بنیاد پرست ڈاکٹر ہے۔ جو مبادیاتِ طب پر عمل پیرا ہے۔ بنیادی طبی اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کا علاج کرتا ہے ان کی تکالیف دور کرتا ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے کیوں کہ وہ بنی نوع انسانیت کے کام آرہا ہے۔

یعنی آپ تمام بنیاد پرستوں کا خاکہ ایک ہی مُوقلم سے نہیں بنا سکتے۔

جہاں تک سوال ہے مسلمانوں کے بنیاد پرست ہونے کا تو مجھے فخر ہے کہ میں ایک بنیاد پرست مسلمان ہوں کیوں کہ میں اسلام کی بنیادی باتوں کا علم رکھتا ہوں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور فخر سے کہتا ہوں کہ میں ایک بنیاد پرست مسلمان ہوں۔ کوئی بھی شخص جو اچھا مسلمان بننا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک بنیاد پرست مسلمان بنے۔ بصورتِ دیگر وہ کبھی بھی ایک اچھا مسلمان نہیں بن سکتا۔

اسی طرح اگر ایک ہندو چاہتا ہے کہ وہ ایک اچھا ہندو بنے تو اسے ایک بنیاد پرست ہندو بننا پڑے گا۔ ایک عیسائی اگر اچھا عیسائی بننا چاہتا ہے تو اسے بنیاد پرست عیسائی بننا پڑے گا بصورتِ دیگر وہ کبھی ایک اچھا عیسائی نہیں بن سکتا۔

اصل سوال یہ ہے کہ ایک ''بنیاد پرست مسلمان'' اچھا ہوتا ہے یا برا؟ الحمدللہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو انسانیت کے خلاف ہو۔ مجھ سے متعدد ایسے سوالات پوچھے گئے جو غلط فہمیوں پر مبنی تھے۔ لوگوں کو اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں ہیں اور ان غلط فہمیوں کی وجہ سے ہی وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات میں خرابی ہے۔ جس طرح کہ ایک بھائی نے گائے کے بارے میں سوال کیا اور میں نے جواب دیا۔ اسی طرح کے مزید سوالات کیے گئے اور میں نے جوابات دیے۔

اصل میں ہوتا یہ ہے کہ لوگوں کی معلومات محدود ہوتی ہیں۔ اور وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اسلام کی کچھ بنیادی تعلیمات ہی غلط ہیں۔ لیکن اگر آپ اسلام کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے ہیں تو آپ کے علم میں ہوگا کہ اسلام کا کوئی ایک اصول بھی ایسا نہیں ہے جو معاشرے اور انسانیت کے لیے نقصان دہ ہو۔

میں یہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کو، اور یہی نہیں، کائنات کے تمام لوگوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں کوئی ایک چیز مجھے ایسی دکھا دیں جو انسانیت کے خلاف ہو۔

ہوسکتا ہے کچھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات بری لگتی ہوں لیکن مجموعی طور پر پوری انسانیت کی بہتری اور فلاح کے لیے یہی تعلیمات بہترین ہیں۔ میں دوبارہ چیلنج کرتا ہوں، اس ہال میں بیٹھا ہوا کوئی بھی شخص مجھ سے کوئی بھی سوال پوچھ سکتا ہے۔ میں ان شاء اللہ تمام غلط فہمیاں دور کروں گا۔

ویبسٹر ڈکشنری بتاتی ہے کہ:

''فنڈامنٹلزم وہ تحریک تھی جو بیسویں صدی کے آغاز میں امریکی پروٹسٹنٹ

عیسائیوں نے شروع کی۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ نہ صرف بائبل میں بیان کردہ
تعلیمات الہامی ہیں بلکہ پوری انجیل لفظ بہ لفظ کلامِ خداوندی ہے۔''

اب ظاہر ہے کہ اگر یہ ثابت کیا جا سکے کہ بائبل واقعی حرف بہ حرف کلامِ خداوندی ہے تو پھر یہ ایک اچھی تحریک ہے لیکن اس تحریک سے وابستہ لوگ یہ ثابت کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو پھر فنڈامنٹلزم کی یہ تحریک قابل ستایش نہیں کہلائے گی۔

آکسفرڈ انگریزی لغت میں بنیاد پرست کی یہ تعریف ملتی ہے:

" ...... Strictly adhering to the ancient laws of a religion, especialy Islam."

''کسی بھی مذہب کے قدیم قوانین کی سختی سے پابندی کرنا، خصوصاً ''اسلام''۔

یعنی اب آکسفرڈ ڈکشنری کہتی ہے کہ ''خصوصاً اسلام''۔ اس لغت کی تازہ ترین اشاعت میں یہ اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی اب بنیاد پرستی کا لفظ سنتے ہی فوراً دھیان جائے گا مسلمان کی طرف..........کیوں؟

اس لیے کہ مغربی ذرائع ابلاغ مسلسل لوگوں پر ایسے بیانات کی بمباری کیے چلے جا رہے ہیں جن سے مسلمان ہی بنیاد پرست معلوم ہوتے ہیں اور مسلمان ہی دہشت گرد۔ اور اب تو صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ ''بنیاد پرست'' لفظ سنتے ہی فوراً ذہن میں مسلمان آتے ہیں۔

ذرا لفظ ''دہشت گرد'' پر غور کریں۔ دہشت گرد کسے کہتے ہیں؟ اس شخص کو جو دہشت پھیلائے۔

اب اگر ایک ڈاکو پر پولیس کو دیکھ کر دہشت طاری ہو جاتی ہے تو اس کے لیے پولیس دہشت گرد ہے۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

میں انگریزی زبان میں واضح طور پر بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں لفظوں سے نہیں کھیل رہا۔ دہشت گرد وہ ہے جو دہشت پھیلائے۔ اب اگر کسی ڈاکو، کسی مجرم، کسی

سماج دشمن پر پولیس کو دیکھ کر دہشت طاری ہوتی ہے تو پولیس بھی دہشت گرد ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہر مسلمان کو دہشت گرد ہونا چاہیے۔ اسے سماج دشمن عناصر کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے۔ کوئی ڈاکو کسی مسلمان کو دیکھے تو اس پر دہشت طاری ہوجانی چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی زانی کسی مسلمان کو دیکھے تو اسے دہشت زدہ ہوجانا چاہیے۔

مجھے اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ بالعموم دہشت گرد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عام لوگوں کو دہشت زدہ کرے۔ جو معصوم لوگوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کرے اور اس تناظر میں کسی بھی مسلمان کو دہشت گرد نہیں ہونا چاہیے۔ عام لوگوں کو مسلمان سے قطعاً دہشت زدہ نہ ہونا چاہیے۔

البتہ جہاں تک سماج دشمن عناصر، چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں کا تعلق ہے تو جس طرح پولیس ان کے لیے دہشت گرد ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی ان کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے۔

ایک معاملہ اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر آپ تجزیہ کریں تو بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص پر دو مختلف لیبل لگ جاتے ہیں۔ ایک ہی شخص کے، ایک ہی کام کی وجہ سے، دو مختلف تصور بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ہندوستان آزاد نہیں ہوا تھا، جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی تو اس وقت مجاہدین آزادی، برصغیر کی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ انگریز حکمران ان لوگوں کو دہشت گرد کہتے تھے جب کہ ہندوستانی انھیں محب وطن اور مجاہدین آزادی کہتے تھے۔

وہی لوگ تھے، ایک ہی فعل کی وجہ سے انگریزوں کی نظر میں وہ دہشت گرد تھے لیکن ہندوستانیوں کی نظر میں، ہماری نظر میں وہ مجاہد تھے۔ آپ جب ان لوگوں پر کوئی لیبل لگائیں گے تو پہلے صورتِ حال کا تجزیہ کریں گے۔ اگر آپ انگریز حکمرانوں سے اتفاق کرتے ہیں تو پھر یقیناً آپ انھیں دہشت گرد قرار دیں گے لیکن اگر آپ ہندوستانیوں کے اس موقف سے اتفاق کرتے ہیں کہ انگریز ہندوستان میں تجارت کرنے آئے تھے اور یہاں

قابض ہو گئے، ان کی حکومت غاصبانہ اور غیر قانونی ہے تو پھر آپ انھی لوگوں کو مجاہدین آزادی قرار دیں گے۔

یعنی ایک ہی طرح کے لوگوں کے بارے میں دو مختلف آرا ہونا ممکن ہے۔

چنانچہ میں آخر میں یہ کہہ کر اپنی بات سمیٹوں گا کہ ”جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ہر مسلمان کو بنیاد پرست ہونا چاہیے کیوں کہ اسلام کی تمام تعلیمات انسانیت کے حق میں ہیں۔ انسان دوستی اور عالمی بھائی چارے کو تقویت دینے والی ہیں۔“

میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

سوال: جہاں تک میرا خیال ہے کسی مذہب میں بھی کوئی برائی نہیں ہے۔ ہر مذہب کے اصول اچھے ہیں لیکن اصول بیان کر دینا ایک چیز ہے اور ان اصولوں پر عمل کرنا ایک دوسری بات ہے۔ عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے زیادہ خون ریزی مذہب کے نام پر ہی ہوتی ہے۔ آپ مذہبی اصولوں اور مذہب کے نام پر ہونے والی قتل و غارت میں مطابقت کس طرح تلاش کریں گے؟

جواب: یہ ایک بہت اچھا سوال ہے کہ تمام مذاہب بنیادی طور پر اچھی باتیں ہی کرتے ہیں لیکن جہاں تک عمل درآمد کا تعلق ہے تو وہ کچھ مختلف ہے۔ تعلیم اچھی باتوں کی دی جاتی ہے لیکن اگر دنیا پر نظر دوڑائی جائے تو بے شمار لوگ ہیں جو مذہب کے نام پر لڑ رہے ہیں۔ آخر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟

یہ ایک بہت اچھا سوال ہے۔ اس سوال کا جزوی جواب تو میں اپنی گفتگو کے دوران میں دے چکا ہوں۔ یعنی جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، ہمارا دین ہمیں کسی بے گناہ کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔

سورۂ مائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ۝ (۵: ۳۲)

اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ: ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے علاوہ کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ مگر ان کا حال یہ ہے کہ ہمارے رسول پے در پے ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے پھر بھی ان میں بکثرت لوگ

زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اپنے اختلافات کو کس طرح حل کر سکتے ہیں۔ اتفاق کس طرح پیدا ہوسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب بھی میں نے سورۂ آل عمران کی چونسٹھویں آیت کی روشنی میں دیا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يَآهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ○ (۳: ۶۴)

اے نبی ﷺ کہو! ''اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔''

فرض کیجیے دس نکات آپ پیش کرتے ہیں اور دس نکات میں پیش کرتا ہوں۔ اب فرض کیجیے کہ ان میں سے پانچ نکات مشترکہ ہیں اور باقی میں اختلاف ہے تو ہمیں کم از کم پانچ نکات کی حد تک تو اتفاق رائے کر لینا چاہیے۔ اختلافات کو ملتوی کیا جاسکتا ہے، نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

قرآنِ کن باتوں پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ ہم ایک خدائے واحد و برتر کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں گے۔

دوسری بات یہ کہ ہم کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

آپ نے ایک اچھی بات کی کہ یہ مسائل کیوں کر حل ہوسکتے ہیں؟ میں نے ایک طریقۂ کار آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ مشترکہ امور پر اتفاق رائے پیدا کیا جائے۔ لیکن

اس سلسلے میں ایک نہایت اہم بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی وہ یہ کہ مختلف مذاہب کے بیش تر پیروکار خود اپنے مذہب کی حقیقی تعلیمات سے باخبر نہیں ہوتے۔ انھیں یہ علم نہیں ہوتا کہ ان کے صحائف مقدس میں لکھا کیا ہوا ہے؟

بہت سے مسلمانوں کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ قرآن اور احادیث صحیحہ میں کیا تعلیمات دی گئی ہیں۔ اسی طرح بہت سے ہندوؤں کو یہ علم نہیں ہوتا کہ ان کے متونِ مقدسہ کہتے کیا ہیں۔ بہت سے عیسائی ایسے ہیں جو نہیں جانتے کہ بائبل کے احکامات کیا ہیں اور بہت سے یہودیوں کو یہ خبر نہیں کہ عہد نامہ قدیم میں لکھا کیا ہوا ہے؟

اب قصور کس کا ہے؟ ان مذاہب کا یا ان کے ماننے والوں کا؟ ظاہر ہے کہ ان مذاہب کے پیروکار ہی قصوروار ہیں۔ اسی لیے میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ اپنے متون مقدسہ کا مطالعہ تو کریں۔ اختلافات بعد میں نپٹا لیے جائیں گے، پہلے کم از کم ان امور پر تو ہم اکٹھے ہو جائیں جو ہمارے اور آپ کے درمیان مشترک ہیں۔

میں ''اسلام اور عیسائیت میں یکسانیت'' کے موضوع پر ایک گفتگو کر چکا ہوں۔ اس میں بھی میں نے یہی کہا کہ اختلافات کو فی الحال نظر انداز کر دیا جائے اور کم از کم ان نکات پر تو ہم متفق ہو جائیں جو ہمارے قرآن اور تمہاری انجیل میں مشترک ہیں۔ اگر ہم مشترک امور پر ہی متفق ہو جائیں تو جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

میں اپنی اس گفتگو میں بھی یہی کچھ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کیا میں کبھی کسی مذہب پر از خود تنقید کرتا ہوں؟ صرف اس وقت جب بعض بھائیوں کے سوالات کی وجہ سے میں مجبور ہو جاتا ہوں تو مجھے اظہارِ حقیقت کرنا پڑتا ہے۔ آپ میری تقاریر کی ریکارڈنگ دیکھ سکتے ہیں میں نے ایک دفعہ بھی کسی مذہب پر از خود تنقید کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اختلافات کے بارے میں بحث کرتا ہی نہیں۔ میں مشترک امور سامنے لانے کی کوشش کرتا ہوں ورنہ میں اختلافات پر بھی بحث کر سکتا ہوں۔ میں ایسے موضوعات پر بھی تقریریں کر سکتا ہوں:

''اسلام اور ہندومت کے اختلافات''

اسلام اور عیسائیت کے اختلافات''

میں تقابل ادیان کا طالب علم ہوں۔ اللہ کا شکر ہے میں دنیا کے بیش تر مذاہب کے متون مقدسہ کے اقتباسات یہاں پیش کرسکتا ہوں۔ اور ان مذاہب کے اختلافات آپ کے سامنے پیش کرسکتا ہوں۔

لیکن میں ایسا نہیں کرتا۔ میں اختلافات کا ذکر اسی وقت کرتا ہوں جب اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب حاضرین میں سے کوئی پروگرام کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہمیں ان اختلافات سے باخبر ہونے کی ضرورت ہے۔لیکن میں عام آدمی کے سامنے ان اختلافات پر گفتگو نہیں کرتا۔ عام آدمی سے میں یہی کہتا ہوں کہ خود اپنی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ اس طرح تم اپنے مذہب کے بھی قریب ہوجاؤ گے اور عالمی بھائی چارہ بھی بڑھے گا۔ اپنے صحائف مقدسہ کا مطالعہ کرو۔ کم ازکم خدا پر تو ایمان لاؤ۔ اختلافات بعد میں حل ہوتے رہیں گے۔

یہودیت یہی کہتی ہے، عیسائیت یہی کہتی ہے، ہندومت یہی کہتا ہے، اسلام یہی کہتا ہے، سکھ مذہب یہی کہتا ہے، پارسی مذہب یہی کہتا ہے کہ؛

''ایک خدا پر ایمان لاؤ اور اسی کی پرستش کرو۔''

آپ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ پہلے صرف اسی نکتے پر جمع ہوجائیں دیگر نکات کے بعد میں فیصلے ہوتے رہیں گے۔ اگر ہم یہ مشترکہ مسئلہ حل کرلیں اگر ہم دس میں سے تین مسائل پر بھی متفق ہوجائیں تو دیگر نکات کا اختلاف برداشت کیا جاسکتا ہے۔ ان کا فیصلہ بعد میں ہوسکتا ہے۔

آپ یقین کیجیے کہ اگر ہم مشترکہ نکات پر اتفاق کرلیں تو بیش تر مسائل حل ہوجائیں گے۔ اور میں خود یہی کام کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ میں ساری دنیا میں سفر کرتا ہوں۔ غیر مسلموں کے سامنے خطابات کرتا ہوں اور چوں کہ لوگ نہ اپنے صحائف مقدسہ کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے ہیں اور نہ ہماری کتابوں کے بارے میں، لہٰذا بہت سے لوگ

سوالات کرتے ہیں۔ خود مسلمان بھی قرآن و حدیث کی تعلیمات کے بارے میں پورا علم نہیں رکھتے۔ وہ ان باتوں کے بارے میں سوالات کرتے ہیں جن کے بارے میں وہ نہیں جانتے لہٰذا میں انھیں معلومات فراہم کرتا ہوں۔ میں انھیں قرآن اور حدیث کے بارے میں بتاتا ہوں۔ وید اور بائبل کے بارے میں بتاتا ہوں۔ اور میں جب بھی کوئی اقتباس پیش کرتا ہوں تو اس کا حوالہ ضرور پیش کر دیتا ہوں۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ذاکر بھائی ہوائی باتیں کر رہے ہیں۔ اور یہ تمام کتب مقدسہ جن کا میں حوالہ دیتا ہوں، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن میں دستیاب ہیں۔ ہماری لائبریری میں وید مقدس کے متعدد ترجمے موجود ہیں۔ ہمارے پاس سیکڑوں قسم کی انجیلیں موجود ہیں۔ بائبل کے تیس سے زیادہ مختلف متن ہمارے پاس ہیں۔ الحمدللہ۔ لہٰذا آپ کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو۔ آپ Jehovahs Witness ہوں، Catholic ہوں یا Protestent ہوں، آپ کی بائبل ہمارے پاس موجود ہوگی اور ہم اس کا حوالہ پیش کریں گے۔ چنانچہ اگر کوئی کہنا چاہے کہ ذاکر نائیک غلط کہہ رہا ہے تو اُسے ان متونِ مقدسہ کو بھی غلط کہنا پڑے گا کیوں کہ میری تقریر کا بیش تر حصہ ان متون مقدسہ کے اقتباسات ہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر آپ ان صحائف سے اختلاف کرتے ہیں تو اس سے کوئی آپ کو روک نہیں سکتا۔ ضرور اختلاف کریں۔ بڑے شوق سے اختلاف کریں کیوں کہ قرآن کہتا ہے کہ ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے'' حق کو باطل سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ میں ہندومت کی حقیقی تعلیم آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ اتفاق کرنا چاہیں تو کریں اگر اختلاف کرنا چاہیں تو اختلاف کریں۔

ایک سمپوزیم منعقد ہوا تھا، جس کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی دستیاب ہے۔ اس سمپوزیم کا موضوع تھا ''اسلام عیسائیت اور ہندومت میں تصورِ خدا'' کچھ لوگ اسے مناظرہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیرالہ کے ایک ہندو پنڈت، کالی کٹ کے ایک مسیحی پادری اور اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرنے کے لیے میں۔ یہ مباحثہ ساڑھے چار گھنٹے جاری رہا۔ اس مباحثے کی ریکارڈنگ دستیاب ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ اس مباحثے میں عیسائیت اور ہندومت کے علما بھی

شریک ہیں اور میں تو محض ایک طالب علم ہوں۔ میں نے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ فیصلہ کرنا تو ناظرین کا کام ہے۔ میں نے بہرحال مشترکہ نکات پیش کرنے کی کوشش کی۔ انھی کی کتابوں کے ساتھ اور مکمل حوالوں کے ساتھ۔ باب نمبر اور آیت نمبر کے ساتھ۔ بنی نوع انسان کو متحد کرنے کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ ہے ایسی باتوں کی تلاش جو ہمارے مابین مشترک ہوں۔

امید ہے کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

☆......☆......☆

سوال: اگر اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے تو پھر اسے تلوار کی مدد سے کیوں پھیلایا گیا ہے؟

جواب: سوال پوچھا گیا ہے کہ: ''اگر اسلام واقعی امن و سلامتی کا مذہب ہے تو پھر یہ تلوار کی مدد سے کیوں پھیلا؟ بات یہ ہے کہ اسلام کا لفظ ہی سَلَم سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہی سلامتی ہے۔ اسلام کا ایک اور مطلب اپنی رضا کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دینا ہے۔ گویا اسلام کا مطلب ہوا'' وہ سلامتی جو اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔'' لیکن جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ دنیا میں ہر شخص سلامتی کا متمنی نہیں ہوتا۔ ہر شخص یہ نہیں چاہتا کہ پوری دنیا میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہو۔ کچھ سماج دشمن عناصر بھی ہوتے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد کی وجہ سے امن و سلامتی نہیں چاہتے۔ اگر مکمل طور پر امن ہو جائے تو ظاہر ہے کہ چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں کے لیے مواقع ختم ہو جائیں گے۔ چنانچہ اپنے فایدے کے لیے ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ امن و سلامتی نہ رہے۔ ایسے سماج دشمن لوگوں کی بیخ کنی کے لیے طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے پولیس کا ادارہ قایم کرنا پڑتا ہے۔

گویا اسلام واقعی امن و سلامتی کا مذہب ہے لیکن امن و سلامتی قایم رکھنے کے لیے بھی بعض اوقات طاقت کا استعمال کرنا پڑتا ہے تاکہ معاشرے کے لیے نقصان دہ عناصر کی حوصلہ شکنی کی جا سکے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ''اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے'' تو اس سوال کا بہترین جواب ڈی لیسی اولیری نے دیا ہے، جو کہ ایک مشہور غیر مسلم مؤرخ ہیں۔ اپنی کتاب ''Islam at the Cross Roods.'' کے صفحہ آٹھ پر وہ لکھتے ہیں:

> ''......تاریخ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شدت پسند مسلمانوں کے پوری دنیا پر قبضے کرنے اور تلوار کے زور پر مفتوحہ اقوام کے لوگوں کو مسلمان کرنے کی کہانیاں درحقیقت ان افسانوں میں سب سے زیادہ بے سروپا اور ناقابل یقین

ہیں جو مورّخ دہراتے رہتے ہیں۔''

کتاب کا نام Islam at the Cross Roads ہے۔ مصنف ڈی لیسی اولیری ہیں اور صفحہ نمبر آٹھ ہے۔ اب میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں کہ ہم مسلمانوں نے سپین پر تقریباً آٹھ سو برس تک حکومت کی۔ لیکن جب صلیبی جنگجو وہاں آئے تو مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹا دیا گیا۔ وہاں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہیں بچا جو سرِ عام اذان دے سکے۔ لوگوں کو نماز کی دعوت دے سکے۔ ہم نے وہاں قوت کا استعمال نہیں کیا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں نے تقریباً چودہ سو سال مسلسل عرب علاقے میں حکومت کی۔ صرف چند سال انگریزی اور چند سال فرانسیسی بھی رہے لیکن مجموعی طور پر ایک ہزار چار سو برس تک عربوں کے علاقے میں مسلمانوں ہی کی حکومت رہی۔ لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ اس وقت بھی تقریباً ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب عیسائی ہیں۔ یہ لوگ قبطی عیسائی کہلاتے ہیں۔ قبطی عیسائی نسل در نسل عیسائی چلے آرہے ہیں۔ اگر ہم مسلمان چاہتے تو ان میں ہر ایک کو بہ زورِ شمشیر مسلمان کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔

یہ چودہ ملین عرب جو کہ قبطی عیسائی ہیں، درحقیقت اس بات کی گواہی ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر ہرگز نہیں پھیلا۔ خود ہندوستان پر بھی صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی لیکن یہاں بھی اسلام پھیلانے کے لیے تلوار سے کام نہیں لیا گیا۔ اگر چند لوگ کوئی غلط کام کریں تو اس کے لیے مذہب کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اگر چند لوگ مذہب کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس مذہب ہی میں برائی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہنا غلط ہوگا کہ عیسائیت ایک برا مذہب ہے کیوں کہ ہٹلر نے ۶۰ لاکھ یہودی مار دیے تھے۔ فرض کیجیے ایسا ہوا بھی ہو کہ ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودی جلا کر مار دیے ہوں تو پھر بھی اس کا ذمہ دار عیسائی مذہب کو کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ کالی بھیڑیں تو ہر معاشرے میں موجود ہوتی ہیں۔

ہم مسلمانوں نے صدیوں ہندوستان پر حکومت کی، اگر ہم چاہتے ہیں تو یہاں کے ہر

غیر مسلم کو بہ زورِ شمشیر مسلمان کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم نے کبھی ایسا کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس بات کی شہادت وہ ہندو ہیں جو آج بھی اس ملک کی آبادی کا اسی فی صد ہیں۔ یہاں موجود حاضرین میں شامل غیر مسلم خود اس بات کی گواہی ہیں کہ ہم نے طاقت اور قوت رکھنے کے باوجود لوگوں کو بہ زورِ شمشیر مسلمان نہیں کیا۔ ہم نے ایسا نہیں کیا کیوں کہ اسلام اس بات پر یقین ہی نہیں رکھتا۔

آج آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا مسلمان ملک انڈونیشیا ہے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی آبادی وہاں ہے۔ کون سی فوج انڈونیشیا فتح کرنے گئی تھی؟ ملیشیا کی آبادی کا بھی ۵۵ فی صد مسلمانوں پر مشتمل ہے تو بتایئے وہاں کون سی فوج روانہ کی گئی تھی؟ افریقہ کا مشرقی ساحل فتح کرنے کون گیا تھا؟ کون سی فوج؟ کون سی تلواریں؟

اس کا جواب تھامس کارلائل دیتا ہے۔ کارلائل اپنی کتاب Heroes & Hero Worship میں لکھتا ہے:

> ''آپ کو یہ تلوار حاصل کرنا پڑتی ہے۔ بصورتِ دیگر کم ہی فایدہ ہو سکتا ہے۔ ہر نیا نظریہ ابتدا میں ایک آدمی کے ذہن میں ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں صرف ایک آدمی کے ذہن میں، ایک آدمی بمقابلہ پوری نوع انسانی اگر وہ تلوار کا استعمال کرے گا تو اس کی کامیابی کا امکان کم ہی ہے۔''

کون سی تلوار؟ فرض کیجیے کوئی ایسی تلوار ہوتی بھی تو مسلمان اسے استعمال نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ قرآن انھیں حکم دیتا ہے:

> لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُمِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ٥ (۲: ۲۵۶)

> ''دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان

لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

یعنی ہر وہ شخص جو اللہ سے دست گیری چاہتا ہے اور باطل قوتوں کو رد کر دیتا ہے۔ درحقیقت اس نے سب سے مضبوط سہارا پکڑا ہے۔ ایسا سہارا جو کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔

کون سی تلوار سے لوگوں کو مسلمان کیا گیا ہے؟ یہ حکمت کی تلوار تھی۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ○ (۱۶ : ۱۲۵)

"اے نبی ﷺ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو، تمہارا ربّ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔"

The Plain Truth نامی رسالے میں ایک مضمون شایع ہوا ہے جو اصل میں ریڈرز ڈائجسٹ کی سالانہ کتاب ۱۹۸۶ء سے لیا گیا ہے۔ اس مضمون میں ۱۹۳۴ء سے ۱۹۸۴ء تک کے پچاس برسوں میں مذاہب عالم میں اضافے کے حوالے سے اعداد و شمار دیے گئے ہیں۔ اس نصف صدی کے دوران سب سے زیادہ اضافہ مسلمانوں کی تعداد دو سو پینتیس فی صد ۲۳۵٪ بڑھ گئی ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ ان پچاس برسوں میں ۱۹۳۴ء سے ۱۹۸۴ء تک مسلمانوں نے کون سی جنگیں لڑ کر لوگوں کو مسلمان کیا ہے؟ وہ کون سی تلوار تھی جس کے ذریعے ان لاکھوں افراد کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ اس وقت امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے بڑھنے والا مذہب اسلام ہے۔ ان امریکیوں کو اسلام قبول کرنے پر کون سی تلوار مجبور کر رہی ہے؟ یورپ

میں بھی اسلام ہی سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ انھیں کون بہ نوکِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کر رہا ہے؟ قرآن اس سوال کا جواب متعدد مقامات پر دیتا ہے۔

میں اس سوال کا جواب ڈاکٹر ایڈم پیٹرسن کے ان الفاظ پر ختم کرنا چاہوں گا:

''وہ لوگ جنھیں یہ خوف ہے کہ ایٹمی ہتھیار کہیں عربوں کے ہاتھ نہ آ جائیں، وہ یہ بات نہیں سمجھ رہے کہ اسلامی بم تو پہلے ہی گرایا جا چکا ہے۔ یہ بم اس دن گرا تھا جس دن پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ولادت ہوئی تھی۔''

☆......☆......☆

سوال: اگر اسلام واقعی عالمی بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے تو پھر مسلمان خود کیوں مختلف فرقوں میں تقسیم ہیں؟

جواب: سوال یہ کیا گیا ہے کہ اگر واقعی اسلام حقیقی عالمی بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے تو پھر مسلمان خود کیوں فرقوں میں تقسیم ہیں۔ اس سوال کا جواب قرآنِ مجید کی سورۂ آل عمران میں کچھ یوں دیا گیا ہے:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ ﴾ (۳:۱۰۳)

''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے؟ اللہ کی رسی سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآنِ مجید۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ یعنی قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ کی تعلیمات پیش نظر رکھیں، اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ جیسا کہ پہلے بھی میں نے عرض کیا قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۹)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہی ان کو بتائے گا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔''

پتہ یہ چلا کہ دین اسلام میں تفرقے سے یعنی فرقوں میں تقسیم ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ بعض مسلمانوں سے جب پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو جواب ملتا ہے؛

''میں حنفی ہوں۔''

بعض کہتے ہیں:

''میں شافعی ہوں۔''

بعض کہتے ہیں:

''میں مالکی ہوں۔''

اور بعض کا جواب ہوتا ہے:

''میں حنبلی ہوں۔''

سوال یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھے؟ کیا وہ حنفی تھے؟ حنبلی تھے؟ مالکی تھے؟ یا شافعی تھے؟ وہ صرف اور صرف مسلمان تھے۔

قرآنِ پاک کی سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ (۳:۵۲)

''جب عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر وانکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟''

حواریوں نے جواب دیا:

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۳:۵۲)

''ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے والے) ہیں۔'' (۳:۵۲)

ایک اور جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (۴۱: ۳۳)

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔''

یعنی اچھا وہ ہے جو کہے کہ میں مسلم ہوں۔ جب بھی کوئی آپ سے یہ سوال کرے کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ کا جواب یہ ہونا چاہیے کہ ''میں مسلمان ہوں۔'' اس میں کوئی حرج نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے بعض معاملات میں امام ابوحنیفہؒ یا کسی اور عظیم عالم کی رائے سے اتفاق ہے۔ یا یہ کہ مجھے امام شافعیؒ یا امام مالکؒ یا امام ابنِ حنبلؒ کے فیصلوں سے اتفاق ہے۔

میں ان تمام فقہا کا احترام کرتا ہوں۔ اگر کوئی بعض معاملات میں امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرتا ہے اور بعض میں امام شافعیؒ کی تو میرے نزدیک اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں لیکن جب آپ کی شناخت کے بارے میں سوال کیا جائے تو آپ کا جواب ایک ہی ہونا چاہیے اور وہ یہ کہ میں مسلمان ہوں۔ پہلے کسی بھائی نے کہا کہ "قرآن کہتا ہے کہ مسلمانوں کے ۷۳ فرقے ہوں گے۔ ......" دراصل وہ قرآن کا نہیں بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کا حوالہ دے رہے تھے۔ یہ حدیث سنن ابو داؤد میں موجود ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دین اسلام ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گا لیکن اگر آپ ان الفاظ پر غور کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس میں اطلاع دی جا رہی ہے کہ ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گا، حکم نہیں دیا جا رہا کہ دین کو ۷۳ فرقوں میں تقسیم کر دو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیش گوئی فرما رہے ہیں۔ حکم تو یہی ہے جو قرآن میں دے دیا گیا ہے کہ "تفرقے میں نہ پڑو۔"

یہ تو ایک سچی پیش گوئی ہے جس نے پورا ہو کر رہنا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے:

> "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک فرقے کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے رستے پر چلے گا۔"

یعنی وہ جو قرآن اور صحیح احادیث کی پیروی کرے گا، وہی درست راستے پر یعنی صراطِ مستقیم پر ہے۔ اسلام دین میں تفرقے اور تقسیم کے خلاف ہے۔ لہٰذا قرآن اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ ہونا چاہیے۔ اور ان پر عمل ہونا چاہیے کیوں کہ قرآن و حدیث پر عمل کر کے ہی مسلمان متحد ہو سکتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ کو اپنے سوال جواب مل گیا ہوگا۔

☆......☆......☆

سوال: دنیا میں بھائی چارے کو فروغ دینے کے لیے بہترین طریقۂ کار کیا ہوسکتا ہے؟ ہمیں زیادہ زور کس پہلو پر دینا چاہیے؟ مذہب پر؟ سماجیات پر؟ یا سیاست پر؟

جواب: بھائی نے سوال یہ پوچھا ہے کہ عالمی بھائی چارے کو فروغ دینے کے لیے ہمیں کس چیز کو ترجیح دینی چاہیے؟ کیا مذہب پر زور دینا چاہیے؟ سماجیات پر؟ یا سیاست پر؟

میرے بھائی میری ساری گفتگو ہی اس موضوع پر تھی اور اب میرے لیے وہ ساری باتیں دہرانا ممکن نہیں ہے۔ آپ کے سوال کا جواب وہی ہے۔ دنیا میں بھائی چارے کو فروغ دینے کے لیے ہمیں مذہب کو ترجیح دینی پڑے گی۔ یہ بات تمام مذاہب میں موجود ہے کہ: ''ہمیں ایک خدا پر ایمان رکھنا چاہیے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔'' لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اسی بات کو اہمیت دیں اور اسی نکتے کو ترجیح دیں۔ میں اپنی گفتگو کے دوران میں بھی یہی دہراتا رہا ہوں، میں نے متعدد سوالات کے جوابات دیتے ہوئے بھی یہ بات کی اور اب پھر کہہ رہا ہوں کہ سماجیات اور سیاسیات بنیادی ترجیح نہیں ہیں بلکہ یہ چیزیں بعد میں آتی ہیں۔ سیاسیات جس بھائی چارے کی بات کرتی ہے وہ محدود ہے اور اسی طرح سماجیات بھی محدود ہے لیکن ایک خدا پر ایمان، ایک کائناتی سچائی ہے۔

اللہ ہی نے پوری انسانیت کو تخلیق فرمایا ہے۔ مرد ہو یا عورت، گورا ہو یا کالا، امیر ہو یا غریب، سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔ لہٰذا عالمی بھائی چارے کا قیام صرف اور صرف خدائے واحد پر ایمان اور عبادت کو صرف اُسی کے لیے خاص کر دینے کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

امید ہے آپ کو اپنے سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

☆......☆......☆

سوال: تمام مذاہب بنیادی طور پر اچھی باتوں ہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی مذہب کی پیروی کی جائے ایک ہی بات ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ جب تمام مذاہب بنیادی طور پر اچھی باتوں کی ہی تعلیم دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کسی بھی مذہب کی پیروی کریں ایک ہی بات ہے۔ مجھے آپ کے سوال کے پہلے جزو سے پورا اتفاق ہے کہ تمام مذاہب بنیادی طور پر اچھی باتیں ہی سکھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مذہب اپنے پیروکاروں کو یہی تعلیم دیتا ہے کہ کسی کو لوٹنا نہیں چاہیے، خواتین کی عزت کرنی چاہیے یعنی کسی خاتون کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیے۔ ہندومت یہی کہتا ہے، عیسائیت یہی تعلیم دیتی ہے اور اسلام بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔

لیکن اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ اسلام نہ صرف اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہے بلکہ ان باتوں کے عملی نفاذ کا طریق کار بھی سکھاتا ہے۔ مثال کے طور پر بھائی چارے کی تعریف تو تمام مذاہب کرتے ہیں لیکن اسلام آپ کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ آپ کی عملی زندگی میں بھائی چارہ کس طرح آئے گا۔ ہندومت کسی کو لوٹنے سے منع کرتا ہے۔ عیسائیت بھی یہی تعلیم دیتی ہے اور اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ کسی کو لوٹنا غلط کام ہے۔ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اسلام آپ کو ایسا معاشرہ تعمیر کرنے کی بھی تعلیم دیتا ہے جس میں کوئی کسی کو لوٹنے کی کوشش ہی نہ کرے۔ یہی اسلام اور دیگر مذاہب میں فرق ہے۔

اسلام ایک نظامِ زکوٰۃ قائم کرنے پر زور دیتا ہے۔ اس نظام کے تحت ہر امیر آدمی اپنی بچت کا ڈھائی فی صد غریبوں کو دینے کا پابند ہے۔ زکوٰۃ ہر قمری سال میں ایک بار ادا کی جاتی ہے اور ہر اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس ایک خاص مقدار سے زیادہ سونا یا اس کے مساوی مال و دولت ہو۔ اگر ہر امیر آدمی زکوٰۃ کی ادائیگی شروع کر دے تو دنیا سے غربت کا خاتمہ ممکن ہے۔ اگر دنیا کے تمام امیر لوگ زکوٰۃ ادا کرنا شروع کر دیں تو پوری دنیا میں کوئی بھی شخص بھوک سے نہیں مرے گا۔

مزید برآں یہ نظام قائم کرنے کے بعد قرآنِ حکیم حکم دیتا ہے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ٥ (۵: ۳۸)

''اور چور، خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے۔ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے۔ اور وہ دانا و بینا ہے۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنا ایک ظالمانہ سزا ہے۔ اکیسویں صدی میں ایسی سزائیں نافذ نہیں ہوسکتیں اور یہ کہ اسلام ایک وحشیانہ مذہب ہے، ایک بے رحم قانون ہے۔ اور یہ کہ ہزارہا لوگ چوریاں کرتے ہیں، اگر اس سزا کو نافذ کردیا گیا تو بے شمار لوگوں کے ہاتھ کاٹنے پڑیں گے۔ لیکن سزا کے سخت ہونے کا فایدہ یہ ہے کہ جیسے ہی اس سزا کو نافذ العمل کیا جائے گا فوراً جرائم میں کمی آجائے گی۔ جیسے ہی کسی شخص کو یہ معلوم ہوگا کہ چوری کرنے یا ڈاکہ مارنے کی صورت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تو بیشتر صورتوں میں چوری یا ڈاکے کا خیال ہی اس کے ذہن سے نکل جائے گا۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ امریکہ جو اس وقت دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے وہ جرائم کی شرح کے اعتبار سے بھی پہلے نمبر پر ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ جرائم بھی امریکہ میں ہی ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ چوریاں اور ڈاکے بھی امریکہ ہی میں ہوتے ہیں۔ میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں۔

فرض کیجیے آج امریکہ میں اسلامی شریعت نافذ کردی جاتی ہے۔ یعنی ہر امیر آدمی اپنی دولت کا ڈھائی فی صد زکوٰۃ کی صورت میں مستحقین کو دینا شروع کردیتا ہے اور اس کے بعد اگر کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، تو میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بتائیں امریکہ میں جرائم کی شرح میں اضافہ ہوگا اور یہی شرح برقرار رہے گی؟ یا جرائم میں کمی واقع ہوگی؟ ظاہر ہے کہ جرائم کی شرح میں کمی آجائے گی۔ یہ ایک قابل عمل قانون ہے۔ آپ شرعی قوانین نافذ کرتے ہیں اور آپ کو فوری طور پر نتائج نظر آجاتے ہیں۔

میں ایک اور مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ دنیا کے بیش تر مذاہب خواتین کا احترام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور خواتین کی بے حرمتی کرنے سے منع کرتے ہیں۔ زنا بالجبر کو جرم قرار دیتے ہیں۔ ہندومت کی یہی تعلیم ہے۔ عیسائیت یہی حکم دیتی ہے اور اسلام بھی یہی کہتا ہے۔ لیکن اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ یہ مذہب آپ کو وہ طریقِ کار اور وہ نظام بھی دیتا ہے جس کے تحت آپ عملاً معاشرے میں خواتین کی آبرو کا تحفظ ممکن بنا سکتے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں جس میں مرد خواتین کی بے حرمتی نہ کریں، زنا بالجبر کے مرتکب نہ ہوں۔

سب سے پہلے تو اسلام حجاب کا حکم دیتا ہے۔ عام طور پر لوگ خواتین کے حجاب کی بات کرتے ہیں لیکن قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ حجاب کا حکم پہلے مردوں کو اور پھر عورتوں کو دیتا ہے۔

سورۂ نور میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (۲۴: ۳۰)

”اے نبی ﷺ! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔“

جب بھی کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور کوئی فاسد خیال اس کے ذہن میں آئے، کوئی شہوت انگیز خیال پیدا ہو تو اس کا فرض ہے کہ اپنی نگاہیں جھکا لے۔ دوبارہ نگاہ کو نہ بھٹکنے دے۔

ایک دن میرا ایک دوست میرے ساتھ تھا۔ یہ دوست مسلمان تھا۔ اس دوست نے کسی لڑکی کو دیکھا تو مسلسل کافی دیر تک دیکھتا رہا۔ میں نے اسے کہا کہ میرے بھائی یہ کیا کر رہے ہو۔ اسلام اس طرح خواتین کو گھورنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا کہ جناب ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ پہلی نگاہ کی اجازت ہے اور دوسری حرام ہے۔“

اور ابھی تو میں نے اپنی پہلی نگاہ آدھی بھی مکمل نہیں کی تھی۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ پہلی نظر قابل معافی ہے اور دوسری قابل مواخذہ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلی مرتبہ نظر پڑے تو آدھا گھنٹہ گھورتے ہی چلے جاؤ اور پلک بھی نہ جھپکو۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ بلا ارادہ اگر کسی خاتون پر نظر پڑ بھی جائے تو خیر ہے لیکن قصداً، ارادتاً، جان بوجھ کر قطعاً نہ دیکھو۔ سورۂ نور کی اگلی آیت خواتین کے لیے حجاب کا ذکر کرتی ہے۔

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ ط ﴾ (۳۱:۲۴)

”اور اے نبی ﷺ مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں۔ بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ......۔“

اس کے بعد ان لوگوں کی فہرست دی گئی ہے جو پردے سے مستثنیٰ ہیں۔

حجاب کے حوالے سے بنیادی طور پر چھ اصول ایسے ہیں جنھیں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

پہلا اصول ہے حجاب کی حد یا معیار، یہ حد مردوں اور عورتوں کے لیے مختلف ہے۔ مرد کے لیے حجاب کی کم از کم حد ناف سے گھٹنے تک ہے جب کہ عورت کا سارا جسم حجاب میں ہونا ضروری ہے۔ صرف چہرہ اور کلائیوں تک ہاتھ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بعض علما تو چہرے کا پردہ بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ صرف یہ اصول ہے جو عورت اور مرد کے لیے مختلف ہے۔ باقی پانچوں اصول مرد اور عورت پر یکساں لاگو ہوتے ہیں۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ آپ کا لباس تنگ اور چست ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی ایسا لباس پہننے کی بھی ممانعت ہے جو جسم کی ساخت کو نمایاں کرے۔

تیسرا اُصول یہ ہے کہ آپ کا لباس شفاف نہیں ہونا چاہیے، یعنی ایسے کپڑے کا بنا ہوا لباس پہننے سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے آر پار نظر آتا ہو۔

چوتھا اُصول یہ ہے کہ آپ کا لباس اتنا شوخ اور بھڑکیلا بھی نہیں ہونا چاہیے جو خواہ مخواہ لوگوں کو خصوصاً جنس مخالف کو متوجہ کرنے کا سبب بنے۔

پانچواں اُصول یہ ہے کہ آپ کا لباس کفار کے لباس کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے یعنی کوئی ایسا لباس نہیں پہننا چاہیے جو کسی خاص مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی پہچان بن چکا ہو۔

چھٹی اور آخری بات یہ ہے کہ آپ کا لباس جنس مخالف کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی مردوں کے لیے خواتین جیسے اور خواتین کے لیے مردوں والے لباس پہننے سے احتراز بہتر ہے۔

حجاب کے حوالے سے یہ وہ چھ بنیادی اصول ہیں جو قرآن اور صحیح احادیث کی روشنی میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔

حجاب کے حوالے سے قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○ (۳۳: ۵۹)

''اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔''

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ حجاب اسی لیے لازم کیا گیا ہے کہ خواتین کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھا جاسکے، اگر اس کے باوجود کوئی شخص زنا بالجبر کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے سزائے موت دی جائے گی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جدید دور میں، اکیسویں صدی میں ایسی سزا کیوں کر دی جاسکتی ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام ایک ظالمانہ مذہب ہے۔ یہ ایک

وحشیانہ اور بے رحمی پر مبنی قانون ہے۔

لیکن کیا آپ کے علم میں ہے کہ امریکہ، جو دورِ حاضر کا ترقی یافتہ اور جدید ترین ملک سمجھا جاتا ہے، وہاں زنا بالجبر کے واقعات پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اعداد و شمار کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں روزانہ اوسطاً ایک ہزار نو سو ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ۱۳ منٹ کے بعد زنا بالجبر کا ایک واقعہ ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ اس ہال میں تقریباً ڈھائی گھنٹے سے ہیں۔ اس دوران امریکہ میں زنا بالجبر کے کتنے واقعات ہو چکے ہوں گے؟ ایک سو سے بھی زیادہ۔

میں آپ سے پھر ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ بتایئے کہ اگر آج امریکہ میں اسلامی شریعت کا نفاذ کر دیا جائے تو کیا ہوگا۔ یعنی ایک تو مرد خواتین کو گھورنے سے مکمل پرہیز کریں یعنی اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں۔ دوسرے یہ کہ لباس، حجاب کی تمام شرائط پوری کرنے والا ہو۔ اور تیسرے یہ کہ اگر کوئی مرد اس کے بعد کسی خاتون کے ساتھ زیادتی کا مرتکب ہو تو اسے سزائے موت سنائی جائے گی۔ میں یہ پوچھنا ہوں گا کہ ایسی صورت میں زنا بالجبر کے واقعات کی شرح یہی رہے گی؟ اس میں کمی ہوگی؟ یا اضافہ ہو جائے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ شرح کم ہو جائے گی۔

اسلامی قانون ایک قابل عمل قانون ہے، لہٰذا جہاں بھی اسلامی شریعت کا نفاذ ہوگا آپ کو فوری نتائج ملیں گے۔

باقی جہاں تک قوانین کے سخت ہونے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے میں غیر مسلموں سے بالعموم ایک سوال کیا کرتا ہوں کہ فرض کیجیے کوئی شخص آپ کی بیوی یا بیٹی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے۔ اس کے بعد مجرم کو آپ کے سامنے لایا جاتا ہے اور آپ کو جج بنا دیا جاتا ہے۔ آپ اس شخص کو کیا سزا سنائیں گے؟

آپ یقین کیجیے، ہر ایک نے بلا استثنٰی ایک ہی جواب دیا، اور وہ یہ کہ ہم اس مجرم کو موت کی سزا دیں گے۔ بعض لوگ اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور جواب دیا کہ ہم ایسے

شخص کو اذیتیں دے دے کر، تڑپا تڑپا کر ماریں گے۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دہرے معیار کیوں؟

اگر کوئی شخص کسی اور کی بہن یا بیٹی کے ساتھ زنا بالجبر کا مرتکب ہوتا ہے تو آپ کے خیال میں سزائے موت ظالمانہ سزا ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ یہی واقعہ آپ کی بہن یا بیٹی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو پھر یہ سزا ٹھیک ہو جاتی ہے۔

خود ہندوستان میں صورتِ حال یہ ہے کہ ہر ۵۴ منٹ کے بعد زنا بالجبر کا ایک واقعہ رجسٹر ہوتا ہے۔ گویا ہر چند منٹ کے بعد ایک خاتون کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اس حوالے سے ہندوستان کے وزیر داخلہ کی رائے کیا ہے؟

اکتوبر ۱۹۹۸ء کے اخبارات میں ہندوستانی وزیر داخلہ مسٹر ایل۔ کے۔ ایڈوانی کا ایک بیان چھپا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ: ''زنا بالجبر کے مجرم کے لیے سزائے موت ہونی چاہیے۔'' وزیر موصوف نے اس حوالے سے قانون میں ترمیم کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ Times of India کی سرخی تھی کہ ''ایڈوانی کی طرف سے زنا بالجبر کے مجرم کے لیے سزائے موت کی تجویز''۔

الحمدللہ جو بات اسلام نے آج سے چودہ سو برس پہلے کی تھی، آج بالآخر دنیا اس کی طرف آ رہی ہے۔ مسٹر ایڈوانی نے بالکل ٹھیک بات کی ہے اور مجھے اس بات پر انھیں داد دینی چاہیے، مبارک باد دینی چاہیے۔ میں یہاں کسی سیاسی جماعت کی حمایت کرنے کے لیے نہیں آیا۔ میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی حق بات کرتا ہے تو اس کی تعریف ضرور ہونی چاہیے۔ اگر اس تجویز پر عمل ہوا تو یقیناً زنا بالجبر کے واقعات میں کمی آ جائے گی۔ ہو سکتا ہے آیندہ کوئی وزیر داخلہ اسلام کے نظامِ حجاب کو نافذ کرنے کے لیے بھی تیار ہو جائے۔ اگر اس طرح ہو تو ان شاء اللہ ان جرائم کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے گا۔ لوگ اسلام کے قریب آ رہے ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ قابل تعریف عمل ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا اسلام کی دعوت یہی ہے کہ آؤ ان باتوں پر اتفاق رائے پیدا کریں جو

ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں۔ مسٹر ایڈوانی نے ہندوستان میں زنا بالجبر کی وارداتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر صورتِ حال کی سنگینی کو محسوس کیا اور قوانین میں ترمیم کی تجویز پیش کی۔ میں ان کی مکمل حمایت کرتا ہوں کہ قانون کو تبدیل کیا جانا چاہیے اور اس جرم کے مرتکب کو سزائے موت ملنی چاہیے۔

لہٰذا اگر آپ غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اسلام صرف اچھی باتوں کی تلقین نہیں کرتا بلکہ معاشرے میں عملی طور پر بہتری اور اچھائی لانے کا طریقۂ کار بھی بتاتا ہے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اسلام اور اچھی باتوں کی تعلیم دینے والے دیگر مذاہب میں فرق ہے۔ اسلام اور دیگر مذاہب یکساں نہیں ہیں۔ اور میں اس مذہب کی پیروی کروں گا جو محض اچھی باتوں کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ ان اچھی باتوں پر عمل درآمد کو بھی یقینی بناتا ہے۔

اسی لیے بجاطور پر سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۝ (۳: ۱۹)

’’ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب دی گئی تھی۔ ان کے اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انھوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات کی اطاعت سے انکار کردے، اللہ کو اس سے حساب لینے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔‘‘

سوال: آپ بات تو کرتے ہیں عالمی بھائی چارے کی، آپ کی گفتگو کا عنوان بھی عالمی بھائی چارہ ہے لیکن بات صرف اسلام کی کر رہے ہیں۔ عالمی بھائی چارے کا مطلب تو سب کے لیے بھائی چارہ ہونا چاہیے، خواہ کسی کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔ بصورتِ دیگر کیا اسے عالمی بھائی چارے کی بجائے ''مسلم بھائی چارہ'' کہنا بہتر نہیں ہوگا؟

جواب: بھائی نے سوال یہ پوچھا ہے کہ عالمی بھائی چارے کے نام پر میں اسلام کی وکالت کر رہا ہوں۔ فرض کیجیے مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ بہترین کپڑا کون سا ہے؟ اور فرض کیجیے کہ بہترین کپڑا کسی خاص کمپنی مثال کے طور پر ریمنڈز کا ہے۔ اب اگر میں کہتا ہوں کہ ''بہترین کپڑا ریمنڈز کا ہے اور آپ کو ریمنڈز کا کپڑا استعمال کرنا چاہیے'' تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں گا۔

اسی طرح فرض کیجیے، مجھے یہ بتانا ہے کہ بہترین ڈاکٹر کون ہے اور فرض کیجیے کہ مجھے علم ہے کہ ڈاکٹر ''الف'' ہی بہترین ڈاکٹر ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ لوگوں کو ڈاکٹر ''الف'' سے علاج کرانا چاہیے تو کیا میں ڈاکٹر ''الف'' کی وکالت کر رہا ہوں؟

ہاں میں آپ کو یہی بتا رہا ہوں کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو عالمی بھائی چارے کی بات کرتا ہے اور صرف بات ہی نہیں کرتا بلکہ عملی طور پر اس کے حصول کو ممکن بھی بناتا ہے۔ رہی یہ بات کہ کیا عالمی بھائی چارے کے تناظر میں آپ مسلمان اور غیر مسلم کو بھائی قرار دے سکتے ہیں یا صرف مسلمان ہی مسلمان کا بھائی ہے؟ تو میں یہ عرض کروں گا کہ اسلام کا بھائی چارہ یہی ہے کہ تمام انسان ہمارے بھائی ہیں۔ میں نے اپنی گفتگو کے دوران یہ بات واضح طور پر کی تھی۔ میں قطعاً لفظوں سے کھیلنے کی کوشش نہیں کر رہا بلکہ واضح الفاظ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔

ہوسکتا ہے آپ نے دھیان نہ دیا ہو یا یہ بات آپ سے نظر انداز ہوگئی ہو کہ میں نے اپنی گفتگو کا آغاز ہی سورۂ حجرات کی ان آیات سے کیا تھا:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَّأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

(۴۹: ۱۳)

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

عالمی بھائی چارے میں ہر انسان شامل ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ اس کا عمل اچھا ہو، اس میں تقویٰ ہو۔ فرض کیجیے میرے دو بھائی ہیں جن میں سے ایک اچھا آدمی ہے۔ درحقیقت میرا ایک ہی بھائی ہے لیکن فرض کر لیجیے کہ دو ہیں۔ ان میں ایک اچھا آدمی ہے۔ وہ ڈاکٹر ہے، لوگوں کا علاج کرتا ہے اور دوسرا بھائی ایک غلط آدمی ہے وہ شرابی ہے زانی ہے۔

اب میرے بھائی تو دونوں ہیں لیکن ان دونوں میں اچھا بھائی کون سا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ بھائی جو ڈاکٹر ہے جو لوگوں کا علاج کرتا ہے، معاشرے کے لیے مفید ہے، نقصان دہ نہیں ہے۔ دوسرا بھی میرا بھائی تو ہے لیکن اچھا بھائی نہیں ہے۔

اسی طرح دنیا کا ہر انسان میرا بھائی ہے لیکن وہ جو نیک ہے، متقی ہے، ایمان دار ہے اور اچھے کام کرنے والا ہے وہ میرے دل کے زیادہ قریب ہے۔ یہ بات بہت واضح ہے۔ میں اپنی گفتگو کے دوران میں بھی یہ باتیں کر چکا ہوں اور اب دہرا بھی دی ہیں۔

امید ہے کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔

سوال: ہندومت، اسلام اور عیسائیت تینوں مذاہب عالمی بھائی چارے کو فروغ دینے والی باتیں کررہے ہیں لیکن آپ نے بات صرف اسلام کے حوالے سے کی ہے۔ آپ نے بھائی چارے کے حوالے سے ہندومت اور عیسائیت کے کردار کی وضاحت نہیں کی؟

جواب: بھائی کا کہنا ہے کہ میں نے صرف اسلام کے حوالے سے اچھی باتیں کی ہیں۔ عالمی بھائی چارے کے حوالے سے ہندومت اور عیسائیت کی خوبیاں نہیں گنوائیں۔ اگرچہ میں نے ان مذاہب کے حوالے سے کچھ اچھی باتیں ضرور کی ہیں لیکن یہ بات درست ہے کہ بھائی چارے کے حوالے سے ان مذاہب کی ہر بات پر گفتگو میں نے نہیں کی۔ کیوں کہ شاید یہاں موجود لوگ ان تمام باتوں کو ہضم نہ کرپائیں۔ لوگ وہ باتیں برداشت ہی نہیں کرسکیں گے۔ لہٰذا مجھے خود پر قابو رکھنا پڑتا ہے۔

میں عیسائیت کے بارے میں جانتا ہوں۔ میں نے بائبل کا مطالعہ کررکھا ہے۔ میں ہندو مذہب کی مقدس کتابیں بھی پڑھ چکا ہوں۔ اگر میں ان کے حوالے سے بات کروں تو یہاں مسئلہ بن جائے گا اور وہ میں نہیں چاہتا۔ لہٰذا میں صرف مشترکہ تعلیمات کا ذکر کرتا ہوں ہندومت کہتا ہے کسی کو مت لوٹو، عیسائیت بھی یہی کہتی ہے کہ کسی کو مت لوٹو، کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو، زنا نہ کرو۔

جہاں تک بھائی چارے کے حوالے سے دوسری باتوں کا تعلق ہے، میں ان کا ذکر نہیں کرتا۔ یہاں محض مثال کے طور پر میں ایک بات کرنا چاہوں گا۔ متی کی انجیل میں تحریر ہے۔ اور میں ہر بات حوالے کے ساتھ کرتا ہوں۔ میں کتاب کا نام، باب کا نمبر سب کچھ بتارہا ہوں، لہٰذا اس حوالے سے کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔

> ''ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور حکم دے کر کہا: غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔'' (متی: ۱۰/۶،۷)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا..........لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔“

(متّی: ۱۵/۲۴۔۲۶)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذہب صرف یہودیوں کے لیے ہے، پوری کائنات کے لیے نہیں ہے۔ عیسائیت میں رہبانیت کا تصور موجود ہے۔ رہبانیت کیا ہے؟ یہ کہ اگر آپ خدا کے قریب ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو دنیا چھوڑنی پڑے گی۔ جب کہ قرآن کہتا ہے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْاِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةً مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ ۝ (۵۷:۲۷)

”ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو مبعوث کیا اور اس کو انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے اس کی پیروی کی ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا اور رہبانیت انھوں نے خود ایجاد کر لی۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب میں انھوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان کا اجر ہم نے عطا کیا مگر ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔“

اسلام میں رہبانیت کی اجازت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ؛ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح کی ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ہر وہ جوان شخص جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو، اُسے نکاح کرنا چاہیے۔

اگر میں یہ بات مان لوں کہ ترکِ دنیا کرنے سے آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں اور اگر ہر شخص اس بات سے اتفاق کر کے رہبانیت اختیار کر لے تو کیا ہوگا؟۔

ہوگا یہ کہ سو ڈیڑھ سو سال کے کے اندر اندر روئے زمین پر کوئی آدم زاد باقی نہیں رہے گا۔ آپ یہ بتائیے کہ اگر آج دنیا کا ہر شخص ان تعلیمات پر عمل کرنے لگے تو عالمی بھائی چارہ کہاں سے آئے گا؟ اسی لیے میں نے دوسرے مذاہب کا ذکر صرف اچھے پہلوؤں سے کیا۔ لیکن اگر آپ جاننا چاہیں گے اور سوالات کریں گے تو پھر میرا فرض ہے کہ میں سچ بولوں۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (۸۱:۱۷)

اور اعلان کر دو کہ ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''

امید ہے کہ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔